

خواہشات پر کنٹرول

کیسے ہو؟

تالیف

آیت اللہ العظمیٰ حسین مظاہری مدظلہ العالی

ترجمہ

حجت الاسلام مولانا آزاد حسین فاضل قم

آراء ائمہ کبار علیہم السلام

خواہشات پر کنٹرول کیسے ہو؟

مؤلف

آیت اللہ العظمیٰ حسین مظاہری مدظلہ العالی

مترجم

حجۃ الاسلام مولانا آزاد حسین فاضل قم

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاں بیک ملتان روڈ لاہور

فون: 5425372

محفوظ و آسان
معارف و تعلیم
Tel: 4124286-4917823 Fax: 4312882
E-mail: anisco@cyber.net.pk

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

خواہشات پر کنٹرول کیسے ہو؟	کتاب:
آیت اللہ العظمیٰ حسین مظاہری	مؤلف:
مولانا آزاد حسین فاضل قم	مترجم:
مولانا ریاض حسین جعفری فاضل قم	پیشکش:
ادارہ منہاج الصالحین لاہور	کمپوزنگ:
مشتاق احمد	کمپوزر:
غلام حیدر چودھری	پروف ریڈنگ:
1000ء	تعداد:
۲۰۰۳ء	ایڈیشن اول:
100 روپیہ	ہدیہ:

ملنے کا پتہ:

ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور وکان نمبر 20، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 7225252

فہرست

11	باب اول
11	اسلام کی نظر میں انسان کی منزلت
13	انسان کی قدر و منزلت
15	صرف انسان امین خدا ہے
15	انسانی اہ اف لامحدود ہیں
22	انسان ناشناختہ موجود
24	مشرق و مغرب کی نظر میں انسان
26	باب دوم
26	انسان کی قدر و قیمت اور احترام
28	انسان دو بعدی مخلوق
30	بعد حیوانی انسانی کا کنٹرول
32	انسان اور نفس امارہ
34	انسان سعید یا شقی؟
37	انسان اور اختیار
40	انسان اور راز و نیاز
42	انسان اور موت

باب سوئم

49	اسلام کی نگاہ میں انسانی زندگی میں برابری و تعادل
49	جنبہ رحمانی کی غذا
50	جنبہ مادی کی غذا
54	اسلام اور گوشہ نشینی
56	اسلام میں زہد کا معنی
58	زہد یعنی عدم دلچسپی
61	انسانی زندگی میں برابری
62	اسراف و فضول خرچی
63	راہ حلال سے غرائز کا تغذیہ
66	ایمان عاطفی
69	

باب چہارم

72	غرائز انسانی کو کنٹرول کرنے کے آٹھ عوامل
73	وجدان اخلاقی
74	تربیت
74	قانون
75	نظارت ملی
75	ایمان عاطفی
75	تعریف عمل
77	تقلید کی اقسام
79	فضیلت عقل
83	کیا عقل غرائز کا کنٹرول کر سکتی ہے؟
85	

باب پنجم

89	اسلام میں علم کی اہمیت
89	اہمیت علم
91	انسان جاہل
96	کیا علم غرائز کو کنٹرول کر سکتا ہے؟
99	غرائز کا طوفان اور ایمان قلبی
101	

باب ششم

106	وجدان اخلاقی کے آثار
106	حقیقت نفس لوامہ
107	آخرت اور تجسم اعمال
111	نفس لوامہ اور قرآن
109	کیا وجدان اخلاقی غرائز کو کنٹرول کر سکتا ہے؟
115	

باب ہفتم

118	غرائز کو کنٹرول کرنے میں قانون کا عمل دخل
118	انسان اور قانون
119	قانون پر اعتراض
121	خلوت میں قانون کا عمل دخل
125	کیا قانون سب کے لئے ہے؟
130	قانون اور غضب
132	توبہ و گناہ کو حقیر نہ سمجھیں
136	

باب ہشتم

139

139

140

142

146

148

149

149

150

نظارت ملی یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مراتب

غیبت

مدارس علمیہ کی تشکیل

اسلامی شعار کو زندہ کرنا

نظارت ملی

کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے؟

155

155

156

161

163

165

باب نہم

ایمان عقلی کا غرائز کو کنٹرول کرنے میں دخل

ایمان عقلی کیا ہے؟

ایمان عقلی اور سرکش انسان

اعجاز قرآن

برہان عقلی اور نفس امارہ

171

171

172

174

177

181

باب دہم

صرف ایمان قلبی غرائز و تمایلات کو کنٹرول کر سکتا ہے

ایمان کی اقسام اور مراتب

ایمان عاطفی اور یقین

حق الناس

ایمان قلبی کے مراتب

181	ارشاد قدرت ہو رہا ہے
187	حق الیقین
192	باب یازدہم
192	ایمان قلبی کیسے حاصل ہوتا ہے؟
194	ایمان قلبی اور عبادت
195	ایمان قلبی حاصل کرنے کے تین عوامل
196	شرعی ظواہر کی پابندی
201	گناہ سے اجتناب
201	انجام مستحبات
203	اہل بیت سے توسل
208	ایمان قلبی اور اخلاق
212	باب ہوازدہم
212	دل میں ایمان کو پروان چڑھانا
213	گناہ سے توبہ
214	مصیبت میں صبر
216	الطاف خفیہ
218	صبر کی قسمیں
219	عبادت میں صبر
224	ایمان قلبی اور اخلاقی انتقا
227	شفاف رذیلہ سے مروی
231	تہذیب نفس

عرضِ ناشر

علم و اجتہاد کے شہر قم المقدسہ کا جعفری مکتب والوں پر بڑا احسان و انعام ہے کہ جس نے لاکھوں مجتہد، محقق، مفکر، محدث، مورخ، علماء، دانشور، محقق اور آیات کرام دیئے ہیں۔ ہمیں اس مردم خیز شہر قم کے باسیوں کا بھی شکر گزار ہونا چاہئے کہ جو فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے تشنگانِ علوم محمد و آل محمدؐ کے لئے نہ صرف چشم براہ رہے، بلکہ دل کھول کر ان کی داسے، درہمے اور سخنے مدد کی۔ ایرانی اپنی ایک قدیم تہذیب رکھتے ہیں۔ ان کے پاس کچھ اصول و ضوابط ہیں، جو پوری سوسائٹی میں رچے بے نظر آتے ہیں۔ ایرانیوں کی وفا شعاری اور مہمان نوازی تاریخ کا جھومر بن چکی ہے۔ انہوں نے کبھی بھی اہل بیت اطہارؑ کے ساتھ بے وفائی اور دجل و قریب سے کام نہیں لیا، بلکہ انہوں نے ان ذوات مقدسہ کا دل و جان سے احترام و اکرام کیا ہے۔

اس کی زندہ مثال آٹھویں لال ولایت حضرت امام رضا علیہ السلام اور آپؑ کی ہمیشہ حضرت معصومہ قم سلام اللہ علیہا کے روضوں پر لوگوں کا ہر وقت حاضری دینا ہے کہ لوگ پورے ملک کے اطراف و اکناف سے جوق در جوق سلام نیاز کے لئے ان عتبات مقدسہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ بات ہو رہی تھی اہلیانِ قم کی فیاضی اور کریمی کی کہ وہ اپنے شہر میر یا ئے عالم سے آنے والے لاکھوں متلاشیانِ علم و اجتہاد کے لئے نہ صرف چشم براہ رہے، بلکہ ان کی ہر طرح سے خدمت اور حوصلہ افزائی کی۔

حوزہ علمیہ قم سے لاکھوں فارغ التحصیل علماء اعلام اقوام عالم کی علمی، روحانی اور معنوی خدمت کرنے میں مصروف بہ عمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم و عمل کی یہ چھوٹی سی نورانی بستی تہران

جیسے عالمی شہر سے زیادہ شہرت چہار دانگ رکھتی ہے۔

اسی حوزہ علمیہ قم کے ایک عظیم روحانی رہنما اور معلم اخلاق آیت اللہ العظمیٰ حسین مظاہری مدظلہ العالی ہیں، جو معلم اخلاق کے عنوان سے حوزہ علمیہ میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنے تربیتی درس سے جہاں عوام الناس کی تربیت کی وہاں پر حوزہ علمیہ کے طلباء کرام کو روحانی غذا مہیا کی اور ان کا تزکیہ نفس کیا۔ جب آپ منبر پر بیٹھ کر علم و آگہی کے موتی بکھیرتے تو آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تشنگان علم کا ہجوم مکمل انہماک و جمعی اور دلچسپی سے ہمہ تن گوش ہو کر درس سماعت فرماتے۔ ایک عجیب روحانی کیفیت ہوتی، ایک روح پرور منظر دکھائی دیتا۔

طلباء کرام اپنے استاد کا اسلوب ادائیگی اور روحانی انداز کیفیت کو اپنانے کی ممارست کرتے۔ یہ بات بلا شک و تردید کہہ سکتا ہوں کہ آج حوزہ علمیہ کے فارغ التحصیل طلباء چار سو درس اخلاق دیتے ہیں تو ان میں اکثر پر معلم اخلاق استاد آیت اللہ حسین مظاہری کا رنگ چڑھا ہوتا ہے۔ لہذا میں سمجھتا ہوں کہ استاد بزرگوار نے ایک نئے انداز اور اسلوب میں تربیت کی، جس سے لوگوں نے اپنے اخلاق کو سنوارا، اور اپنے آپ کو روحانیت کے سانچے میں ڈالا۔ آج آپ کے فیوض و برکات سے خوشہ چینی کرنے والے اقوام عالم کی تقدیر سنوار رہے ہیں اور اصلاح معاشرہ کرنے میں مشغول و مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

زیر نظر کتاب ”عوامل کنترل غرائز در زندگی انسان“ آیت اللہ مظاہری کے دروس پر مشتمل ہے۔ آپ کے دیئے ہوئے لیکچرز کو تحریری جامعہ پہنایا گیا ہے۔ کافی دیر ہو چکی تھی کہ استاد بزرگوار کی دست بوسی نہ ہوئی تھی، کیونکہ آپ مقام معظم رہبری آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی خواہش پر قم المقدسہ سے اصفہان کے لئے رخت سفر باندھ چکے ہیں۔ آپ حوزہ علمیہ اصفہان کے رئیس ہیں۔ آپ پورے انہماک، دلجمعی اور توجہ سے

اصفہان کے مومنین کرام کی خدمت کرنے میں مصروف بہ عمل ہیں۔ پچھلے سفر ایران میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی چوکھٹ پر سلام بجالانے کے بعد قم پہنچا تو میں نے اپنے رفیق حضرت آیت اللہ علی العارفی الپشی سے کہا کہ میں آیت اللہ مظاہری کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ ہم دونوں دوست دست بوسی کے لئے عازم اصفہان ہوئے۔ آپ سے مفصل ملنے کا موقعہ نصیب ہوا، آپ کے فرزند ارجمند جناب حسن مظاہری جو باپ کی مکمل شہمی نظر آتے ہیں سے علیک سلیک ہوئی۔

میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے مصمم ارادہ کر لیا کہ استاد بزرگوار کی کتب کا اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ آپ کے علمی و روحانی دروس سے اردو خواں حضرات بھی استفادہ کریں۔ استاد بزرگوار کی کتب کا ترجمہ کرنے کے لئے برادر بزرگوار حجتہ اسلام مولانا آزاد حسین صاحب کی خدمات حاصل کیں، جو پورے انہماک کے ساتھ معظم لہ کی کتب کا ترجمہ کرنے میں مصروف ہیں۔ دعا ہے کہ رب کائنات ہمیں علوم آل اطہار کی ترویج و تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم اس کا اجر جزیل ان کریم ہستیوں سے روز جزاء پانے کے متمنی ہیں۔ وہ کریم ہیں کریمی فرمائیں گے، وہ لج پال ہیں لج پالی کرتے ہوئے اپنے دامن رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں گے۔

والسلام مع الاکرام

طالب دعا!

ریاض حسین جعفری فاضل قم

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

باب اول

انسان کی نظر میں انسان کی منزلت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ
أَشْرَفَ بَرِيَّتِهِ أَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ
وَعَلَى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ سَيِّمًا بِقِيَّةُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِينَ وَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى
أَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ.

میری گفتگو ان عواطف کے بارے میں ہے جو انسان کو ظلم و بربریت اور سرکشی سے روکتے
ہیں، کیونکہ انسان تو چاہتا ہے کہ کوئی چیز بھی اس کی خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹ نہ بنے۔ وہ
اپنی مرضی کے مطابق ہر کام انجام دے۔ قرآن مجید اس کی طرف ارشاد فرما رہا ہے:

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ. (سورہ قیامت، آیت: ۵)

”بلکہ انسان تو یہ چاہتا ہے کہ اپنے سامنے برائی کراتا چلا جائے۔“

ظاہری بات ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو انسان سرکشی و بربریت میں بڑھتا چلا جائے گا قرآن کے بقول ایسا انسان درندے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ.

(سورہ انفال: ۸، آیت: ۲۲)

”اللہ کے نزدیک بدترین زمین پر چلنے والے وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے ہیں۔“

پس ایسا شخص جو اپنی قلبی خواہشات کے مطابق زندگی گزارے اور خدا کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر نہ چلے وہ اپنی ذات اور معاشرے کے لئے ناسور ہے۔

اس موضوع کے بارے میں کئی ایک نظریے بیان کئے گئے ہیں جن کے بارے میں انشاء اللہ ہم آئندہ گفتگو کریں گے۔

انسان کی قدر و منزلت

اصل بحث شروع کرنے سے پہلے بطور مقدمہ یہ عرض کرتا چلوں کہ انسان بڑی عجیب و غریب مخلوق ہے، اگر اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو تو ظلم و سرکشی کی پستی میں غرق ہوتا چلا جائے۔ اگر وہ اپنی خواہشات پر قابو پالے، نفسِ امارہ پر غالب آجائے تو بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اسی مطلب کو ان الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں:

أَتَزَعُمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ.

وَفِيكَ أَنْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ.

”اے انسان! تم اپنے آپ کو پست اور چھوٹا خیال کرتے ہو، حالانکہ تیرے

وجود کے اندر ایک کائنات پوشیدہ ہے۔“

قرآن کریم اور روایات آئمہ علیہم السلام میں انسان کی بہت زیادہ قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن نے تو یہاں تک بیان کر دیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے خلق کی گئی ہے۔ ارشاد خالق کائنات ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا. (سورہ بقرہ، آیت: ۲۹)
 ”خدا وہ ہے جس نے زمین کے تمام خزانے تم ہی لوگوں کے لئے پیدا کئے ہیں۔“

ایک اور مقام پر ارشاد قدرت ہے:

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ. (سورہ لقمان آیت: ۲۰)

”کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اس آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر بنایا؟“

اے انسان! تو اپنی قدر و منزلت کو سمجھ، کیونکہ تیری خاطر یہ کائنات خلق کی گئی ہے۔

قرآن کی نگاہ میں انسان خلیفۃ اللہ ہے، خدا نے ملائکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً. (سورہ بقرہ، آیت: ۳۰)

”میں چاہتا ہوں کہ زمین پر خلیفہ مقرر کروں۔“

اب سوال یہ ہے کہ خلیفہ کیا ہوتا ہے؟ میرے استاد محترم علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر المیزان میں فرماتے ہیں: خلیفہ اس شخص کو ہونا چاہیے جو وجودی اعتبار سے صفات

خداوندی کا مظہر ہو۔ یعنی خدا کی صفات جمال و جلال اس کے دل و جان پر حاکم ہوں، انسان

کا دل عرش الہی ہونا چاہیے۔

قرآن فرما رہا ہے:

اے انسان! اگر تو اپنی پہچان کرنا چاہتا ہے تو جان لے کہ تو خلیفۃ اللہ ہے تو صفات خدا

کا مظہر بن سکتا ہے، علمی اعتبار سے تو اس مقام پر فائز ہو سکتا ہے کہ اگر عالم ہستی میں تصرف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ امور تکوینی پر مسلط ہو سکتا ہے۔ ارادہ کے اعتبار سے تمہارے اندر اتنی قوت و طاقت آ سکتی ہے کہ اگر کسی کام کو انجام دینے کے ارادہ سے لفظ ”کن“ (یعنی ہو جا) کہو تو وہ ہو جاتا ہے۔ حدیث قدسی میں ارشادِ قدرت ہے:

عَبْدِي أَطْعَمْنِي حَتَّى أَجْعَلَكَ مِثْلِي تَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ.

”اے میرے بندے! میری اطاعت کرو، تاکہ تمہیں اپنی طرح کا بنا لوں
جب کہو ہو جا تو وہ ہو جائے۔“

صرف انسان امین خدا ہے

قرآن کی نگاہ میں انسان امین اللہ ہے یعنی خدا کی امانت اسے عطا کی گئی ہے۔ قرآن کی نظر میں امانت دو طرح سے ہے۔ ایک امانت وہ نعمتیں ہیں جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں قرآن میں ہے:

وَاتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ. (سورہ نور، آیت: ۳۳)

”جو مال خدا نے تمہیں دے رکھا ہے اس سے کچھ انہیں بھی دے دو۔“

گویا! خداوند تعالیٰ یہ فرما رہا ہے اے انسان! یہ مال و دولت میری طرف سے تیرے اختیار میں دی گئی ہے، یعنی یہ مال تیرے پاس بطور امانت ہے۔ اس سے تو خود بھی استفادہ کر اور دوسروں کو بھی دے۔ اسی طرح علم بھی تمہیں امانت کے طور پر دیا گیا ہے۔ اس سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا۔ اسی طرح قدرت و طاقت، ارادہ، صحت و سلامتی اور سب سے مہم ترین چیز عقل تیرے پاس امانت ہے۔ سورہ لقمان میں خدا کا ارشاد ہے:

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. (لقمان، آیت: ۲۰)

”اور تمہارے لئے تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں کو مکمل کر دیا ہے۔“

امانت کی دوسری قسم تکلیف یعنی فرض یعنی کسی کام کو انجام دینا ہے۔
خداوند قدوس نے تکلیف و فرض جیسی امانت ہمارے سپرد فرمائی ہے اور کہا کہ اس قیمتی
چیز کی حفاظت کریں۔ یہی تکلیف ہی تو ہے جو انسان کو اس مقام تک پہنچاتی ہے، جہاں اسے
خدا کے علاوہ کچھ بھی نظر نہیں ہے۔ بقول شاعر ۔

گفت جبریل آذرا اندر جہاں

گفت رو رو من حریف تو نیم

اے جبریل آذرا اندر جہاں تک کر دیکھو اس نے کہا: جاؤ جاؤ میرا تیرا کوئی جوڑ نہیں
ہے۔“ پس انسان اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں اسے خدا کے علاوہ کچھ بھی نظر نہ آئے صرف
انسان ہی امین اللہ ہے کسی اور میں امانت کا وزن اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔

ارشادِ قدرت ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ

يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ. (سورہ احزاب، آیت: ۷۲)

”بے شک ہم نے امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑ سب کے سامنے پیش کیا
اور سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور خوف ظاہر کیا پس انسان نے
اس بوجھ کو اٹھا لیا۔“

خدا نے جب امانت اپنی مخلوق کے سامنے پیش کی تو کسی نے بھی اسے قبول نہیں
کیا۔ سب نے ڈر پوکی کو ظاہر کیا تھا، کیونکہ تکوینی اور قدرت کے لحاظ سے اس
خدائی امانت کا بوجھ وہی اٹھا سکتا تھا جس میں امین اللہ ہونے کی استعداد
ہوتی۔ یہ صلاحیتیں صرف اور صرف انسان میں پائی جاتی ہیں۔ قرآن کی نگاہ
میں خدا تک رسائی صرف انسان کو ہو سکتی ہے۔ انسان ہمیشہ سے ایک گم شدہ
خزانے کی تلاش میں ہے۔ اس کا وہ خزانہ دنیا نہیں بلکہ خداوند قدوس ہے۔

روایات میں ہے کہ دنیا کے پیچھے دوڑنے والے کی مثال اس پیاسے شخص جیسی ہے جو کھارا پانی جتنا بھی پیئے اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی ہے، کیونکہ مال و ثروت اور حکومت انسان کا ہدف نہیں ہے، بلکہ ہدف و مقصد خدا کا تقرب اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث ہے:

إِنَّ الشَّهِيدَ يَنْظُرُ فِي وَجْهِ اللَّهِ وَإِنَّهَا لَرَّاحَةٌ لِكُلِّ نَبِيٍّ وَشَهِيدٍ.

(وسائل الشیعة، جلد ۱)

”شہید کی نظر میں ذات خدا ہوتی ہے اور یہ ہر نبی اور شہید کے لئے سامان لذت و راحت ہے۔“

اس حدیث نبوی سے مراد یہ ہے کہ شہداء و انبیاء جب ذات خدا کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں تو سکون و راحت کا احساس کرتے ہیں ان کا ہدف بہشت نہیں ہوتا ہے بلکہ ان کی نگاہ میں ہمیشہ خوشنودی خدا ہوتی ہے۔

انسانی اہداف لا محدود ہیں

وہ انسان جن کا ہدف خدا تک رسائی اور اس کی شناخت ہے اس کی نظر میں دنیا کی قدر و قیمت مکھی کے بال برابر نہیں ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں: ابن عباس نے حضرت علی علیہ السلام پر اعتراض کیا کہ آپ مسلمانوں کے حاکم و سرپرست ہیں، پھر آپ جگہ جگہ پیوند لگا ہوا جوتا کیوں پہنتے ہیں؟ آپ نے وہ جوتا ابن عباس کے سامنے پھینکا اور پوچھا:

اس جوتے کی قیمت کیا ہوگی؟

ابن عباس نے کہا: اس ٹوٹے ہوئے جوتے کی کچھ بھی قیمت نہیں ہے۔ اس وقت آپ نے فرمایا:

”اے ابن عباس! مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں علیؑ

کی جان ہے میرے نزدیک اس حکومت و ریاست کی قیمت اس ٹوٹے ہوئے

جوتے کے برابر نہیں ہے مگر یہ کہ اس مقام و عہدہ پر ہوتے ہوئے میں حق کو ثابت اور باطل کو ختم کر سکوں۔“

..... نہج البلاغہ میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

”مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور جان کو پیدا فرمایا:

میرے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت بکری کی چھینک برابر نہیں ہے۔“

جب انسان اپنے آپ کو نہ پہچان سکے اور نہ ہی یہ معلوم کر سکے کہ اس کی گم شدہ چیز کون سی ہے، وہ اس ریشمی کیڑے کی طرح ہے جو اپنے خول میں خود بند ہو کر رہ جاتا ہے حالانکہ انسان اپنی شان کے لائق مقام حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا اصل ہدف و مقصد خدا تک رسائی ہے۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ بعض افراد کے لئے بہشت عند اللہ ہے۔

مثلاً فرعون نے جب اپنی زوجہ کو کیلوں میں گاڑنے کا حکم دیا تو اس کی زبان پر اللہ اللہ کا ورد تھا۔ وہ اپنی حیات کے آخری لمحات میں بھی اپنے خدا سے مناجات کرتی رہی، قرآن کریم نے زوجہ فرعون کے الفاظ یوں نقل کئے ہیں کہ اس نے کہا:

رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ

وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ. (سورہ تحریم، آیت: ۱۱)

”زوجہ فرعون نے دعا کی کہ میرے پروردگار میرے لئے جنت میں اپنے

نزدیک ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلا

دے اور اس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کر دے۔“

گویا زوجہ فرعون یہ کہہ رہی ہے کہ خدایا فرعون اور اس کے دربار میں زندگی میرے

لئے زندان میں زندگی گزارنے کے مترادف ہے کیونکہ میں مصر کے بادشاہ فرعون کی بیوی

ہوں۔ میں اس سے بیزار و متنفر ہوں۔ خدایا میں چاہتی ہوں میرا ٹھکانہ بہشت میں تیرے

نزدیک ہو اور اگر جنت میں میرا گھر آپ کے قریب نہ ہو تو ایسے بہشت کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خدا کے بندوں کے لئے بہشت میں خدا سے دوری زندان ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

شب معراج میں نے بہشت میں جانے والے لوگوں کی جگہ دیکھی، وہاں پر ایسے محلات بھی دیکھے جو مرجان و مروارید کے موتیوں سے مزین ہیں۔ ارشاد قدرت ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ محلات تیرے ان بندوں کے لئے ہیں جنہوں نے مجھے صحیح معنوں میں پہچانا۔ میں اپنے ان بندوں پر ہر روز ستر مرتبہ نظر کرم کرتا ہوں، ہر نظر میں انہیں فیض بخشا ہوں۔ اس کے بعد انہیں کہتا ہوں، اے میرے بندو! تمام بہشتی افراد جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، لیکن تمہارے لئے نعمت یہ ہے کہ میں آپ سے گفتگو کروں گا اور آپ میرے ساتھ گفتگو کریں گے۔“

زوجہ فرعون جانتی تھی کہ عند اللہ کیا ہے، چونکہ اس نے اپنی شناخت کر لی تھی، اس لئے وہ کم پر قانع نہیں ہوئی اور صرف بہشت ملنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، کیونکہ بہشت اس کی نگاہ میں ناچیز ہے۔ جو کوئی بھی اپنے محبوب اور مقصد کو پالیتا ہے وہی انسان درحقیقت اشرف المخلوقات کہلانے کا حق دار ہوتا ہے۔

خدا کے شائستہ بندے اس بہشت کے طلبگار ہوتے ہیں جو عند اللہ ہو۔ جو خدا کے جوار میں واقع ہو۔ انسان جب اس منزل پر پہنچ جاتا ہے تو خدا کی مخصوص نظر کرم اس پر ہوتی ہے۔ ہر روز ستر مرتبہ خدا سے دیکھتا ہے یہ نگاہ بھی کوئی معمولی نگاہ نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایسی نظر ہے جو عاشق اپنے معشوق یا معشوق اپنے عاشق یا رب اپنے مربوب یا مربوب اپنے رب کی طرف کرتا ہے۔ یہ تمام نگاہیں اس کا لطف خاص ہے، لہذا انسان کے لیے کوئی حد و قوف نہیں

ہے۔ جب وہ آخری منزل یعنی عند اللہ پہنچ جاتا ہے تو وہاں پر لطف پر لطف، نظر کرم پر نظر کرم اور کمال پر کمال ملتا ہے۔

انسان کی تخلیق کا ہدف صرف بہشت نہیں ہے، بلکہ قرآن کے بقول اس سے کہیں بالاتر ہے۔

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ. (سورہ قیامت، آیت: ۲۳، ۲۸)
 ”اس دن بعض چہرے شاداب ہوں گے، وہ اپنے پروردگار کی نعمتوں پر نظر رکھے ہوئے ہوں گے۔“

یہ لوگ روز محشر چودہویں کے چاند کی طرح درخشاں ہوں گے اور اس قدر خوشیوں میں ڈوبے ہوئے ہوں گے کہ دیکھنے والے ان پر رشک کریں گے۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور ان سے کوئی حساب کتاب بھی نہیں لیا جائے گا، کیونکہ ان کی نگاہ میں صرف ذات حق ہے۔ قرآن کریم انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرما رہا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ. (سورہ فجر، آیت: ۲۷)
 ”اے نفس مطمئن! اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔“

یعنی جب آپ پروردگار کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسی دنیا میں آپ کی گم شدہ چیز آپ کو مل جائے گی خدا کے علاوہ آپ کے قلب و روح پر کوئی بھی حاکم نہیں ہے پس مقام لقاء اللہ اسی دنیا میں میسر ہو جاتا ہے۔ آپ یقین کی اس منزل پر فائز ہو جاتے ہیں کہ ایک دفعہ یا اللہ کہنے سے ہر شے کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً.

”اپنے رب کی طرف پلٹ آ، تو خدا سے راضی ہے اور خدا تجھ سے راضی ہے۔“

کتنا خوش ہے وہ انسان جو خدا پر راضی ہو اور خدا اس پر راضی ہو۔“

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي. (سورہ فجر: آیت ۲۹، ۳۰)

”پس میرے نیک بندوں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔“

”یعنی میرے پیغمبر، میرے حسین، شہداء کر بلا اور میرے نیک بندوں، مسلمانوں ابوذرؓ کا کردار ادا کرو، اور خدا کی خوشنودی حاصل کرو۔

قرآن میں پروردگار کا ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا.

(سورہ کہف، آیت: ۱۱۰)

”پس جو بھی اپنے پروردگار سے ملاقات کی آرزو کرتا ہے اسے نیک اعمال

انجام دینے چاہیں۔“

یعنی اے انسان! خدا کی اطاعت میں زندگی گزار، نیک اعمال انجام دے تاکہ تو خدا سے ملاقات کر سکے۔ جس طرح ایک پیاسا شخص جب پیاس کا احساس کرتا ہے تو پانی پینے کے بعد ادراک کرتا ہے کہ وہ اب سیراب ہو چکا ہے۔ اسی طرح انسان بھی لقاء پروردگار کا ادراک کرتا ہے۔

قرآن شریف میں ارشاد ہے:

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْصِدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ.

(سورہ قمر، آیت: ۵۴، ۵۵)

”بے شک صاحب تقویٰ باغات اور نہروں کے درمیان ہوں گے، اس پاکیزہ مقام پر

جو صاحب اقتدار بادشاہ کی بارگاہ میں ہے۔“

یہ ایک واقعیت ہے کہ کوئی سراب نہیں ہے کہ جس کے پیچھے انسان دوڑے اور وہ میسر

نہ آ سکے، آخر کار انسان کی آخری آرام گاہ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ہے۔“

تمام کے تمام انسان مرنے کے بعد زندہ ہیں، البتہ بعض جہنم میں، بعض بہشت میں

اور بعض عند اللہ صاحب حیات ہیں۔ یہ بات میں کوئی اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہوں بلکہ

قرآن کا دعویٰ ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. (سورہ آل عمران، آیت: ۱۶۹)

”اور خبردار راہ خدا میں قتل ہونے والوں کو مردہ خیال نہ کرنا وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں۔“

انسان کو اس لئے خلق کیا گیا ہے تاکہ زندہ رہے۔ پروردگار فرما رہا ہے کہ اے انسان! تمام چیزیں تیرے لئے ہیں نے پیدا کی ہیں اور تجھے میں نے اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ سورہ طہ کی آیت نمبر ۴۱ اسی مطلب کو بیان فرما رہی ہے:

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي.

”تجھے میں نے اپنے لئے انتخاب کیا ہے۔“

میں نے تخلیق ہدف انسان کے بارے میں جو آیات ذکر کی ہیں ان کے ساتھ آیت کریمہ کو منضم کر دے تو حدیث قدسی کا مضمون سمجھ میں آ جائے گا کہ:

خَلَقْتُ الْأَشْيَاءَ لِأَجْلِكَ وَخَلَقْتُكَ لِأَجْلِي.

”میں نے تمام اشیاء تمہارے لئے اور تمہیں اپنے لئے خلق کیا ہے۔“

اے انسان! خداوند تعالیٰ نے تمہیں اپنے لئے خلق کیا ہے۔ دنیا کے پیچھے مارے مارے پھرنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ دنیا کی تخلیق صرف تمہاری خدمت کے لئے ہے نہ کہ تم دنیا کی خدمت کرتے پھرو۔ کتنی احمقانہ اور شرم کی بات ہے کہ انسان شب و روز اس چیز کی خدمت میں گزار دے جو صد در صد اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

انسان ناشناختہ موجود

سچی بات تو یہ ہے آج کی دنیا اتنی ترقی یافتہ ہونے کے باوجود انسان کی شناخت سے

محروم ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر تا قیامت انسان صرف اس وجہ سے بد بختیوں کا شکار ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا، چونکہ اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکا، اس لئے ذلت و خواری کا شکار ہے۔ قرآن امانت حوالے کرنے والی آیت کریمہ میں انسان کے بارے میں فرماتا ہے:

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا. (سورہ احزاب، آیت: ۷۲)

”تحقیق انسان اپنے بارے میں ظالم و جاہل ہے۔“

چونکہ انسان اپنے آپ کو نہیں پہچانتا لہذا اپنے اوپر ظلم و ستم ڈھاتا ہے۔ اس کی جگہ اور مقام عند اللہ ہے، اگر اس مقام پر نہیں پہنچتا ہے تو یہ اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، عرفاء و صاحب بصیرت کی نظر میں غلط کاریوں میں زندگی بسر کرنے والا شخص اس کیڑے کی مانند ہے جو گندگی میں اپنی حیات کا خاتمہ کرتا ہے۔

وہ انسان جسے قرآن مخاطب کرتے ہوئے فرما رہا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ تُرْجِعِي.....

”اے نفس مطمئنہ.....“

یعنی ایسا موجود جو اپنے مقصود تک پہنچا ہوا ہے تو میرے پاس آ جا۔ بہشت تیرے لئے ناچیز ہے۔ ان صفات کے مالک انسان کی زندگی پر بہت افسوس ہے کہ وہ ریشمی کیڑے کی طرح دنیا کے خول میں تڑپ تڑپ کر مر جائے اور مرنے کے بعد سیدھا واصل جہنم ہو اور وہ وہاں پر آہ و بکا کرے۔ پکار پکار کر کہے کہ مجھے بچاؤ۔ اس وقت اس کے بارے میں خطاب ہوگا۔

إِخْسَنُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُون. (سورہ مومن، آیت: ۱۰۸)

”اب اس ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور بات نہ کرو۔“

وہ انسان جس کی جگہ عند اللہ ہو، اس کا کام ذات حق کو دیکھ کر لطف اٹھانا ہو، اگر وہ

اپنے آپ کو اس قدر پست و حقیر بنا لے کہ اس کے بارے میں قرآن یہ کہے:

أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ. (سورہ اعراف، آیت: ۱۷۹)

”یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ ہیں۔“

وہ انسان جو اس قدر پستی کا شکار ہو جائے کیا وہ ظالم و جاہل نہیں ہے؟ اب سوال یہ ہے انسان کیوں ان مشکلات سے دوچار ہوتا ہے؟ شیطان اور نفس امارہ کیوں اس پر مسلط ہو جاتے ہیں؟ یہ ساری بدبختیاں اس وجہ سے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو پہچان نہیں سکا ہے۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ اتنی علمی ترقی اور پیشرفت کی وجہ سے انسان نے کیوں طبیعت و سرشت کو تسخیر کر لیا ہے، لیکن انسان کو تسخیر نہیں کر سکا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: چونکہ بشر طبیعت و سرشت کو پہچان چکا ہے اس لئے اس نے اسے مسخر کر لیا ہے لیکن انسان کو نہیں پہچان سکا لہذا اسے تسخیر بھی نہیں کر سکا۔

مشرق و مغرب کی نظر میں انسان

کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں انسان کے بارے میں کیا خیال کیا جاتا ہے؟ مشرقی بلاک انسان کو صرف ایک آلہ کار سمجھتا ہے ان کا نعرہ یہ ہے کہ ہر کوئی اپنی ہمت و طاقت کے مطابق کام کرے اور ضرورت کے مطابق اشیاء سے استفادہ کرے، گویا انہوں نے انسان کو ایک مشینری خیال کیا ہے۔ جس طرح اس میں ضرورت کے مطابق ڈیزل، پٹرول وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے اور وہ اپنی طاقت و قدرت کے مطابق کام کرتی ہے۔ گدھا بھی اسی طرح سے ہے کہ اسے ضرورت کے مطابق گھاس اور دانہ وغیرہ ڈالا جاتا ہے اور اس کی قدرت و طاقت کے مطابق اس سے کام لیا جاتا ہے۔

جب کہ مغربی دنیا انسان کے بارے میں اس سے زیادہ افسوس ناک فکر کی مالک ہے۔ عرب میں آئے دن ایک نیا نظریہ مکتب ظہور پذیر ہوتا ہے جو کچھ عرصہ بعد دفن ہو کر رہ جاتا ہے، لیکن اس کے غلط تاثرات باقی رہ جاتے ہیں۔ انسان کی شناخت کے بارے میں ان

کی تحقیق کی انتہا یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں انسان صرف عرائز و خواہشات جنسی کا مرکب ہے یعنی وہ اپنی زندگی خواہشات نفسانی کے تابع گزارتا ہے۔ جس شخص نے یہ نظریہ پیش کیا ہے اس کا نام فروید ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ فروید نے جو نظریہ پیش کیا ہے کیا اس نے انسان کو صحیح طور پر شناخت کر لیا ہے؟

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے، جب کہ قرآن کریم انسانیت سے گرے ہوئے شخص کے بارے میں فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُوَ أَضَلُّ

”وہ سب حیوان بلکہ اس سے بھی پست تر ہیں۔“

مجھے بڑی اچھی طرح سے یاد ہے کہ ایک جرمنی انجینئر نے انسان کے اندر موجود ان چیزوں کا حساب کتاب کیا جن میں سے انسان کا بدن تشکیل پاتا ہے۔ مثلاً اس نے حساب لگایا کہ انسان میں اتنے گرام شوگر، اتنے گرام فولاد اور اتنے گرام سوڈیم وغیرہ پایا جاتا ہے۔ ان اشیاء کی اگر قیمت لگائی جائے تو انسان کی قیمت اسی (۸۰) مارک جاپانی بنتی ہے۔

جب میں نے انسان کے بارے میں اس کا حساب پڑھا تو میرے ذہن میں حضرت علی علیہ السلام کا فرمان آیا۔

آپ نے فرمایا: ”جو شخص شب و روز شکم پرستی کے پیچھے پڑا ہو اس کی قیمت وہی ہے جو گندگی اس کے پیٹ سے نکلتی ہے یعنی اسی (۸۰) مارک تو اس کے مقابلے میں بہت بڑی رقم ہے۔“

یعنی ایسے شخص کی قیمت اسی (۸۰) لگانا بہت بڑی رقم ہے۔ امیر المومنین نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

”مومن شخص کعبہ سے بلند و برتر ہوتا ہے اس کا مرتبہ جبریل سے بھی بلند و بالا ہے۔“



باب دوم

انسان کی قدر و قیمت اور احترام

پہلے جلسہ میں ہماری گفتگو اس بارے میں تھی کہ انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے۔ وہ جو بھی کام کرنا چاہے بلاچون و چرا انجام دے سکے۔ قرآن نے انسان کی حالت یوں بیان کی ہے کہ اس کا دل جس چیز کی طرف مائل ہو جائے اسے انجام دینا چاہتا ہے۔ ظاہری بات ہے یہ چیز نہ تو اس کی ذات کے لئے مفید ہے اور نہ معاشرے کے لئے۔ ہماری گفتگو اس بارے میں ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو انسان کے لئے سدرہ بن سکتے ہیں اور اسے شرع، عقل اور اخلاق و جدان کے دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی گزارنے کی طرف رہنمائی کر سکیں۔

یہ بحث کئی مقدمات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ بطور خلاصہ بیان کر چکا ہوں اور یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ مشرق و مغرب نے انسان کو بہت حقیر مخلوق خیال کیا ہے، حالانکہ اسلام نے انسان کو بہت زیادہ قدر و منزلت عطا فرمائی ہے اور اس کی شخصیت کے احترام کو دوبالا کیا ہے۔ یہ اپنے اعمال کی بناء پر ان بلندیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جہاں پر اس کی نظر میں صرف خدا ہو۔ انسان مشکلات کا مقابلہ کر کے اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں پر اس کا مرتبہ ملائکہ سے زیادہ ہو۔ بشر اسی دنیا میں وہ مقام حاصل کر سکتا ہے جہاں اس کے دل پر صرف اور صرف خدا کی حکمرانی ہو۔ روایات میں ہے کہ اس کا دل عرش الہی بن سکتا ہے۔

الْمُؤْمِنُ قَلْبُهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ.

”مومن کا دل عرش الہی ہے۔“

آج ہماری بحث دوسرے مقدمہ کے بارے میں ہوگی کہ انسان کن چیزوں کی بناء پر قابل احترام ہو سکتا ہے اور دوسرے موجودات اس قدر کیوں محترم نہیں ہیں؟

انسان دو بعدی مخلوق

قرآن و روایات کی نظر میں انسان اس دلیل کی بناء پر قابل احترام ہے کیونکہ یہ دو جہتی موجود ہے، چونکہ دو بعدی موجود ہے لہذا کمال حاصل کر سکتا ہے۔

اس کی ایک جہت بنام روح ہے۔ یہ انسان کا جنبہ ملکوتی ہے جو عقل اور وجدان اخلاقی وغیرہ سے مرکب ہے، جب کہ دوسرا جنبہ ناسوتی ہے جو جسم یا غرائز و تمایلات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں جنبے اور جہتیں کیسے مرکب ہوتی ہیں؟ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ ان کی ترکیب بڑی عجیب اور حیران کن ہے کیونکہ ان دونوں جہتوں کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے، لیکن اس تضاد کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے، البتہ ان کے آثار اور نشانیوں سے ان کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان روحی طور پر کئی طرح کی لذتیں حاصل کرتا ہے۔ مثلاً عبادت سے لذت یا غریبوں کی مدد کر کے لذت اٹھاتا ہے، اسی طرح اگر کسی مسلمان کا دل خوش کرے تو لذت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یا علم سے لذت حاصل کرتا ہے۔ یہ تمام کی تمام لذتیں جنبہ حیوانی کے لئے دردناک ہیں۔ یعنی اگر ہم انسان کے جنبہ ناسوتی و حیوانی کے بارے میں تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ عبادت کرنا اس کے لئے مشکل کام ہے۔ اگر حب مال کی جہت سے اس کا امتحان کریں تو خود خواہ دوسروں کا خیال نہیں کرتا ہے۔ مشکل میں کسی کے کام نہیں آئے گا چنانچہ تمام جسمانی لذات روح کو انحطاط کی طرف لے جاتی ہیں۔ حتیٰ مباح امور مثلاً زیادہ کھانا، پینا، زیادہ سونا، آتش شہوت ٹھنڈی کرنا اور کاروبار زندگی یہ تمام کے تمام دل کو

زنگ آلود کر دیتے ہیں۔

لہذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قول نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:
”لوگوں کے ساتھ میل میلاپ خورد و نوش اور سونے وغیرہ سے دل زنگ آلود
ہو جاتا ہے لہذا ہر روز میں ستر (۷۰) مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔“

یہ روایت یا اس طرح کی بہت سی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز بھی
انسان کے جنبہ حیوانی کے لئے لذت شمار ہوتی ہے وہ روح کے لئے دردناک ہوتی ہے۔ اسے
زوال کی طرف لے جاتی ہے، لہذا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے جنبہ ملکوتی اور جنبہ
حیوانی کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے۔

روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:
”میں نے شب معراج ایک فرشتہ دیکھا جس کا آدھا حصہ پتوں سے اور آدھا
آگ سے ہے، نہ تو یہ پتے آگ کی طرح سرایت کرتے ہیں اور نہ آگ ہی
ان پتوں کو کوئی نقصان پہنچاتی ہے۔ افلاطون کے بقول شاید یہ اس بات کی
طرف اشارہ ہے کہ انسان ضدین سے مرکب ہے۔“

اس کے دونوں چہرے بڑے عجیب و غریب ہیں، اگر اس کے انسانی جنبہ کی طرف نگاہ
کریں تو یہ مسجود ملائکہ قرار پایا ہے۔ اس پر اللہ کا فرمان ہے:

فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ.

(سورہ حجر، آیت: ۲۹)

”پس جب اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو
سب کے سب سجدے میں گر پڑنا۔“

جنبہ ملکوتی و انسانی کے اعتبار سے اس قدر قابل احترام ہے کہ اس آیت کریمہ میں
اسے روح اللہ کا درجہ عطا کیا گیا ہے اور ملائکہ کو امر دیا گیا ہے کہ اسے سجدہ کریں اس کے

بعد فرمایا: جس نے میرے حکم سے سرپچی کی اور سجدہ نہ کیا وہ راندہ درگاہ ہو جائے گا چنانچہ ابلیس نے اسے سجدہ نہ کیا تو اسے خطاب ہوا:

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ.

”اور وہ (ابلیس) کافرین میں سے ہو گیا۔“

بعد حیوانی انسان کا کنٹرول

اگر ہم انسان کے جنبہ حیوانی کے بارے میں تحقیق کریں گے تو یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ انسان فطرتی طور پر شقی ہے، یعنی شقاوت اس کی ذات میں پوشیدہ ہے۔ یعنی انسان کے غرائز حیوانی ”جنہیں قرآن کریم نے نفس امارہ سے تعبیر کیا ہے“ کے بارے میں اگر تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ شقاوت و شرارت اس کے اندر چھپی ہوئی ہے اگر جنسی خواہشات اس پر غالب آ جائیں تو وہ نہ صرف یہ کہ اپنے لئے حرم سرا تعمیر کرتا ہے بلکہ اس کی نظریں ہمیشہ لوگوں کی ناموس و عزت کی طرف اٹھتی ہیں، اور اگر مال کی خواہش غلبہ کر لے تو اگرچہ اسے کرہ ارض کا مالک بنا دیا جائے پھر بھی اس پر صبر نہیں کرے گا، بلکہ دوسرے کرات پر حکومت کی تڑپ اس کے اندر پائی جائے گی۔ اگر ریاست کی محبت اس پر غالب آ جائے تو وہ اس ظلم پر آمادہ ہو جائے گا کہ دنیا کا دو سوم ختم کر دیا جائے اور ایک سوم پر حکومت کرے۔

آپ اگر آج کی دنیا کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آج کل کے انسان نے علم کو محروم، تباہ و برباد اور ضعیف و کمزور لوگوں کا خون پینے کا وسیلہ بنا لیا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ اس مقام پر پہنچ جائیں گے کہ یہی علم ان کی اپنی تباہی و نابودی کا سبب بن جائے گا۔ میرے استاد بزرگوار انقلاب کے عظیم الشان رہبر حضرت امام خمینی فرماتے ہیں: جب ہم انسان کے جنبہ حیوانی کو دیکھتے ہیں تو اس کی ذات میں شر نہیں ہے۔ اس کا ہر کام شر کا سرچشمہ ہے، آخر کار شر کا ارتکاب کرنے کے بعد یہ اپنے آپ کو لائق تحسین خیال کرتا

ہے۔ اور کہتا ہے لوگوں کو قتل کر کے بہت اچھا کام انجام دیا ہے۔ میزائل باری کر کے بچوں، عورتوں اور بے گناہ بوڑھوں کو خاک و خون میں غلطان کر دیتے ہیں۔ اتنا ظلم و ستم کرنے کے باوجود خوش ہوتا ہے اور اپنے آپ سے مخاطب ہوتا ہے کہ میں نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ یہ اس کا حیوانی جنبہ ہے، جبکہ رحمانی جنبہ کی پہلے وضاحت کر چکا ہوں۔

اگر خداوند تعالیٰ توفیق عنایت فرمائے اور انسان جنبہ حیوانی پر قابو پانے کی کوشش کرے تو اس شہ زور گھوڑے کے منہ میں لگام دے کر اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر انسان سعی کرے تو خداوند تعالیٰ کی مدد سے اس کا جنبہ رحمانی جنبہ حیوانی پر غالب آ سکتا ہے۔ وہ منہ زور گھوڑے کو قابو میں لا سکتا ہے اپنے مقصد تک جلد پہنچنے کے لئے اس سے براق کا کام لے سکتا ہے اور اس منزل تک پہنچ سکتا ہے جہاں یہ خدا کے مقرب فرشتوں کو بھی جانے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔

وہ براق جو نہ تو جبریل کے پاس ہے اور نہ ہی خدا کے کسی مقرب فرشتے کے پاس ہے اگر انسان اس پر سوار ہو جائے تو وہ کمال کی اس منزل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے جہاں پر پہنچنا فرشتوں کے بس کی بات نہیں ہے، کیونکہ اس کا وجود، وجود استعمال نہیں ہے۔ انسان کا عروج و بلندی کی اس منزل پر فائز ہونا صرف جنبہ رحمانی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جب بھی اس کا جنبہ رحمانی، جنبہ جسمانی پر غالب آ جائے گا تو وہ عروج کی منزل پر گامزن ہوگا۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

از جمادی می میرد و نامی میشود

از نامی می میرد انسان می شود

انسان جمادات کی منزل سے نکل کر نامی ہو جاتا ہے اور نامی کی منزل طے کر کے انسان کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔“

یعنی بقول شاعر انسان ایک دفعہ پر وبال نکالتا ہے اور اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو اس

کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔ قرآن میں ارشادِ قدرت ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
تَعْمَلُونَ. (سورہ سجدہ، آیت: ۱۷)

”پس کسی نفس کو معلوم نہیں ہے کہ اس کے لئے کیا کیا خنکی چشم کا سامان چھپا
رکھا گیا ہے۔ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔“

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے یعنی جنبہ حیوانی انسان کو اپنے تابع کر لے تو
پھر یہ ہوگا کہ خواہشات، عقل کو اپنی خدمت کے لئے استخدام کر لیں گئیں۔ یعنی ہونا تو یہ
چاہیے تھا کہ انسان کی حیوانی جہت وجدان اخلاقی کے تابع ہو، لیکن حیوانی تمایلات قبل
حکومت، دولت اور شہرت وغیرہ اسے اپنے تابع فرمان بنالیں تو اس وقت یہ خواہشات گویا
ایک اسیل و نجیب گھوڑے پر سوار ہو کر اسے بد نسل بنادیں گئیں۔ یعنی اسے اپنے رنگ ڈھنگ
میں ڈھال لیں گے تو اس وقت نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ہر چیز سے پست ہو جائے گا۔ قرآن اس
حالت کو یوں بیان فرما رہا ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ.

(سورہ انفال، آیت: ۲۲)

”اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے بدترین وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل
سے کام نہیں لیتے ہیں۔“

انسان اور نفس امارہ

دنیا میں بدترین مخلوق وہ انسان ہے جس کی عقل پر اس کا نفس امارہ حاکم ہو، جب
دولت کی ہوس انسان کی عقل اور اس کے جنبہ رحمانی کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے تو انسان
اس وقت معاویہ بن سفیان بن جاتا ہے۔ معاویہ صاحب عقل تھا لیکن اس کی عقل خواہشات
نفس کے تابع فرمان تھی۔ کسی نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا

معاویہ عقل مند اور چالاک ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

جو کچھ معاویہ کرتا ہے یہ شیطنت ہے عقلمندی نہیں ہے۔ ہاں معاویہ صاحب عقل تھا لیکن تابع عقل نہیں تھا۔ اسی طرح عمرو عاص عرب دنیا کا عقلمند ترین شخص تھا لیکن دولت، حکومت اور شہرت کی خواہشات نے اس کی بہترین چیز یعنی ایمان اس سے چھین لی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بعض افراد کو دیکھتے تھے کہ ان کی عقلیں ان کے حیوانی جنبہ کے ماتحت ہیں تو آپ سخت ناراض ہوتے تھے۔ اس وقت پیغمبر اکرمؐ سے خطاب ہوتا یا رسول اللہ آپ اس قدر پریشان نہ ہوں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، یہ حیوان ہیں، انہیں دنیا کی چراگاہ میں چرنے دو۔ سورہ انعام میں ارشادِ قدرت ہے:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ. (سورہ انعام، آیت: ۹۱)

”آپ انہیں کہہ دیجئے کہ وہ بھی اللہ ہے اور پھر انہیں چھوڑ دیجئے یہ اپنی بکواس میں کھیلنے پھریں۔“

ایک اور آیت میں خدا فرما رہا ہے:

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسُوْفَ يَعْلَمُوْنَ.

(سورہ الحجر، آیت: ۲)

”انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کہ وہ کھائیں، پیئیں اور مزے اڑائیں اور امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رہیں عنقریب انہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو مردوں سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے دلوں میں پیغمبر اکرمؐ کے وعظ پر نصیحت بالکل کوئی اثر نہیں کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے رسول خدا کو ارشاد کرتے ہوئے فرمایا ہے:

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ.

(سورہ نمل: آیت: ۸۰)

”آپ مردوں اور بہروں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے۔“

مردہ صفت انسان گوش شنوا (سننے والے) کان نہیں رکھتا ہے۔ اس کی آنکھیں حق کو دیکھنے والی نہیں ہیں۔ اس کا دل حق کی بات نہیں سمجھتا ہے۔ جنبہ حیوانی غالب آنے کی وجہ سے کتے اور بھیڑیے سے زیادہ درندہ ہو جاتا ہے۔

اگر آپ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کی تاریخ بشری کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ مختلف ادوار میں مختلف افراد نے درندوں سے بڑھ کر درندگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً قابیل نے اپنے بے گناہ بھائی ہابیل کو قتل کر دیا، جو تاریخ انسانی کا سب سے پہلا ظلم ہے۔ یا حضرت یوسفؑ کے بھائی اسے قتل کرنا چاہتے تھے لیکن بعض بھائیوں کے کہنے پر اسے کنویں میں ڈال دیا گیا۔ جوں جوں علم نے ترقی کی، انسان کی تباہی کے لئے انسان نے بھی مختلف قسم کے اسلحے تیار کر لئے ہیں۔ مثلاً ایٹم بم بنایا جس کے چلانے سے منٹوں میں ہزاروں آدمی موت کی نیند سو جاتے ہیں۔ انسان ریاست و حکومت کا پجاری ہے۔ اس نے اپنی یہ خواہش پوری کرنے کے لئے چاند گاڑی بنائی جس میں بیٹھ کر آسمان کی بلندیوں پر جا کر اس تلاش میں ہے کہ آیا وہاں پر کوئی فوجی اڈا قائم کیا جاسکتا ہے۔

انسان سعید یا شقی؟

فلاسفہ کے درمیان اس بارے میں عجیب قسم کا اختلاف دیکھنے میں آتا ہے کیا انسان نیک ہے یا بد بخت؟ یہی اختلاف فلاسفہ میں قبل از مسیح پایا جاتا تھا کہ کیا انسان فطرۃً سعید و نیک ہے یا فطری طور پر شقی و بد بخت ہے؟ قرآن کریم سے جس بات کا استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں تفلیک کا قائل ہونا پڑے گا۔ اس طرح سے کہ یہ انسان روحی اعتبار سے فطرۃً سعید و نیک ہے، کیونکہ یہ اس کا جنبہ ملکوتی ہے، لیکن جنبہ ناسوتی کے لحاظ سے فطری طور پر بد بخت

اور شقی ہے، اگر اس کے غرائز کو دیکھیں تو اس میں شقاوت پوشیدہ ہے۔ قرآن اس جنبہ کے بارے میں فرماتا ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي. (سورہ یوسف، آیت: ۵۳)

”نفس بہر حال برائیوں کا حکم دیتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔“

نفس امارہ انسان کا وہی جنبہ حیوانی ہے۔ غرائز و خواہشات برائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یعنی ذاتی طور پر اس میں شقاوت پائی جاتی ہے۔ اسلام سے قبل بعض فلاسفہ اس نظریہ کے قائل تھے کہ شقاوت و بدبختی انسان کی ذات میں پوشیدہ ہے۔ اسی طرح دوسری عالمی جنگ کے بعد بعض جرمن فلاسفہ بھی اسی نظریہ کے حامی تھے۔

نابغہ روزگار اور معروف و مشہور فلسفی ابوالعلاء معری عالم وجود سے بہت بدبین تھے، کیونکہ وہ ایک مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ خدا نہ کرے ایک معاشرہ یا مرد کسی خاص مشکل میں پھنس جائے۔ میں التماس کرتا ہوں کہ اپنے بچوں کا خاص خیال رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خاص مشکل میں پھنس کر کوئی ایسا کام کر بیٹھیں، جس کی بعد میں سزا بھگتنی پڑے۔ اسلام نے بچوں کی تربیت کے بارے میں اتنی تاکید فرمائی ہے کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ خاص کر یتیم بچے کسی مشکل میں نہ پھنس جائیں۔

ابوالعلاء معری جو کہ پیدائشی طور پر نابینا تھا۔ نابغہ روزگار ہونے کے باوجود مشکلات میں گرفتار رہا۔ اس نے آخر عمر تک شادی نہیں کی ہے۔ اس نے حکم دیا کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر یہ جملہ لکھنا:

هَذَا مَنْ ظَلِمَ أَبُوهُ.

”اس قبر میں وہ شخص دفن ہے جس پر اس کے باپ نے ظلم کیا ہے۔“

یعنی اس کے باپ نے ازدواج کیا اور یہ معروف فلسفی پیدا ہوا۔ لیکن مرتے دم تک شادی نہیں کی ہے کہ اس کا کوئی بچہ ہوتا۔

بعض انسان شناس لوگوں کا خیال ہے کہ انسان فطری طور پر شقی و بد بخت ہوتا ہے، چونکہ انہوں نے دوسری عالمی جنگ میں دیکھا تھا کہ صاحبان قدرت و طاقت لوگوں نے اپنی ریاست اور حکومت کے لئے کیا کچھ کیا۔ انہوں نے جامعہ بشری کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کون سی کسراٹھا نہیں رکھی ہے۔ پس ایسے ہی امور کی وجہ سے وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ انسان فطرۃً شقی ہوتا ہے۔

علم اخلاق کے ماہرین اور اسلامی فلاسفہ کا نظریہ ہے کہ انسان فطری طور پر سعید و نیک ہے، چونکہ یہ لوگ انسان کے جنبہ رحمانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس لئے بالفطرہ سعید ہونے کے قائل ہیں۔

قُلْ مَوْلُودٌ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ.

”ہر پیدا ہونے والا بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔“

ابن مسکویہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی اخلاق کی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: انسان پانی کی طرح لا اقتضاء ہے یعنی نہ تو فطری طور پر سعید ہوتا ہے اور نہ شقی، بلکہ اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ کون سی سمت اختیار کرے۔

جناب مرحوم آخوند رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”کفایۃ الاصول“ میں فرماتے ہیں: بعض انسان فطرۃً شقی اور بعض فطری طور پر سعید ہوتے ہیں۔ اگر انسان کے ملکوتی جنبہ کو دیکھیں اور قرآن سے استفادہ کریں تو وہ اس کے بارے میں فرما رہا ہے:

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ.

(سورہ حجرات، آیت: ۲۹)

”پس جب اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دو تو سب کے سب سجدے میں گر پڑنا۔“

اگر انسان کے جنبہ حیوانی کا لحاظ کریں تو قرآن کا نظریہ یہ ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي. (سورہ یوسف، آیت: ۳۵)
 ”نفس بہر حال برائیوں کا حکم دیتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔“

انسان اور اختیار

انسان دو جنموں کے مرکب کا نام ہے۔ اس کی قدر و قیمت بھی انہیں دو جہتوں کی وجہ سے ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو لباس اختیار سے آراستہ کیا ہے۔ اب اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ اگر چاہے تو فرشتوں سے بلند مرتبہ و مقام حاصل کر سکتا ہے، اگر غلط راستے پر چل نکلے تو حیوان سے بھی پست مخلوق میں اس کا شمار ہوگا۔

اے انسان! تیری لغت میں ”نہیں ہو سکتا ہے یا میں نہیں جانتا“ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تمہارے اندر خدا نے اتنی قدرت و طاقت رکھی ہے کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ تمہارے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے۔ تم جتنے بھی کند ذہن کیوں نہ ہو اگر کسی چیز کا علم حاصل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو کیونکہ خداوند عالم نے وجود انسان کو ایسی طاقت سے مزین فرمایا ہے کہ اگر کچھ کرنا چاہے تو انجام دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی چیز کے بارے میں کچھ جاننا چاہے تو جان سکتا ہے۔ لہذا روز قیامت کسی قسم کا کوئی حیلہ و بہانہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس دن صرف یہی خطاب ہوگا۔

هَلْ أَعْمِلْتَ؟

”تو نے کیوں عمل نہیں کیا۔“

تو نے کیوں اس نعمت کو ٹھکرایا ہے جو تمہیں عطا کی گئی تھی؟ تو کیوں اس براق پر سوار نہیں ہوا جو تمہیں اس مقام و مرتبہ تک لے جاتی جہاں بہشت کی خواہش تمہارے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی۔ اس دن اگر یہ کہو گے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تھا تو تمہارے سامنے نمونہ پیش کیا جائے گا کہ فلاں شخص بھی تمہاری طرح کا انسان تھا اس نے انجام دے لیا ہے تم کیوں نہیں کر سکے ہو

؟ اور اگر کہو گے یہ میں نہیں جانتا تھا تو خطاب ہو گا تم جان سکتے تھے کیوں نہیں جانا ہے؟ بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو ایسے ماحول میں زندگی گزارتے رہے جو ایک قید خانے سے کم نہ تھی لیکن انہوں نے ہمت سے کام لیتے ہوئے اس ماحول سے نجات حاصل کی ہے۔

زوجہ فرعون کا قصہ پہلے بیان کر چکا ہوں، اس نے فرعونؑی ماحول میں رہتے ہوئے کیا کیا کام انجام دیے۔ فرعون کے تکبر و غرور کے محل کو پاؤں کی ٹھوکر سے چکنا چور کر دیا۔ اس نے یہ سب کچھ خدا کے لئے کیا تھا۔ فرعون کی تمام زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا۔ فرعون اپنی زوجہ کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا۔ ابتداء میں اس نے وعظ و نصیحت شیطانی کی وہ اسے گمراہ کرنا چاہتا تھا۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ زبانی وعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تو اس نے ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا، جب دیکھا کہ یہ طریقہ بھی کارگر ثابت نہیں ہو رہا ہے۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑ لی جائیں۔ جب میخیں گاڑی گئیں تو آہ و بکا کی پکار کی بجائے أَحْذَا أَحْذَا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور اس خاتون نے آخری وقت اپنی خواہش کا اظہار اپنے پروردگار سے ان الفاظ میں کیا جو قرآن نے نقل کئے ہیں:

رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ.

(سورہ تحریم، آیت: ۱۱)

”اس نے دعا کی پروردگار میرے لئے جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے

اور مجھے فرعون سے نجات عطا فرما۔“

قرآن کہتا ہے: باہمت انسان بلند مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔

زوجہ فرعون نے کہا: خدایا! فرعون کی ہم نشینی میرے لئے بہت سخت ہے۔ میں تیرے

پاس آنا چاہتی ہوں مجھے اس ظالم شخص سے نجات عطاء فرما اور مجھے اپنے پاس بلا لے۔

با ایمان شخص ایک لمحہ میں سو سال کا راستہ طے کر سکتا ہے۔

زوجہ فرعون کی طرح ایک اور عورت جو فرعون کو کنگھی وغیرہ کیا کرتی تھی، اس کے

حالات بھی ایسے ہی ہیں۔ ظاہر اس عورت کو زوجہ فرعون نے ہی توحید پرستی کی تعلیم دی تھی۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ یہی عورت فرعون کی بیٹی کے سر میں کنگا کرنے لگی تو شروع کرنے سے پہلے اس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا۔ چونکہ اس لڑکی نے پہلی دفعہ یہ الفاظ سنے تھے چونک گئی اور پوچھا یہ کلمات کیسے ہیں؟ اس عورت نے کہا: سچ بات تو یہ ہے کہ تمہارا باپ ایک مکار اور حیلہ باز شخص ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہوا ہے، حالانکہ خدا تو وہی ہے جس کا تعارف حضرت موسیٰ علیہ السلام کروا تے پھر رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ اطلاع فرعون تک پہنچ گئی کہ تمہاری مشاطہ توحید پرست ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ اس عورت کو اس کے چار بیٹوں کے ساتھ فرعون کے سامنے لایا گیا اور کہا گیا کہ اس بھرے مجمع میں اپنے عقائد سے دست برداری کا اعلان کرو گی تو تمہیں چھوڑ دوں گا، لیکن اس عورت نے کہا خدا صرف وہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔ فرعون جھوٹ بکتا ہے۔

اس نے حکم دیا کہ آگ کی چتہ جلائی جائے اور اس عورت کے لڑکوں کو ایک ایک کر کے آگ میں پھینکا جائے جب پھینکا گیا تو اس کی زبان اَحَدًا اَحَدًا اَحَدًا کی آواز سے معطر ہوتی رہی۔

آخر کار بات یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کے شیر خوار بچے کی باری آ گئی، جسے راہ خدا میں دینا اس کے لئے انتہائی مشکل کام تھا، اس وقت بچے نے فریاد بلند کی: امی جان! یہ کام آپ کے لئے کیوں دشوار ہے؟ اَحَدًا اَحَدًا کی صدا بلند ہوئی۔

اس کے بعد ماں کو بچے سمیت آگ میں اچھال دیا گیا موت کے آخری لمحات میں اس خاتون نے ایک وصیت کی تھی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب ہم سب مل کر راکھ بن جائیں تو ہماری راکھ کو ایک ہی جگہ پر دفن کر دینا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: شب ہجرت چوتھے آسمان پر ایک خاص قسم کی خوشبو میں نے سونگھی تھی، جس نے تمام آسمان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ میں نے

پوچھا 'یہ خوشبو کیسی ہے؟'

جبریل نے کہا: یا رسول اللہ! یہ مسحور کن خوشبو زوجہ فرعون اور اس کے گھر میں کنگھی کرنے والی عورت اور اس کے بچوں کی ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں یا میں نہیں کر سکتا یہ سب غلط ہے، کیونکہ اس طرح کی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ بہت سے ایسے لوگ گذرے ہیں جنہوں نے مصائب و مشکلات برداشت کیں، لیکن طاغوتوں اور بتوں کو زمین بوس کیا۔ بہت سے زندانوں کی سلاخوں کو توڑا اور ذات حق کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کیا۔ راہ خدا میں ہر طرح کی مشکلات کو برداشت کیا۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ خدا اور عالم ملکوت کی راہ طے کرنے میں ہزار ہا سختیاں اور مشکلات برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس حیوانی چلنے کو رام کرنے کے لئے طرح طرح کے مصائب اٹھانا پڑتے ہیں۔ ظاہری بات ہے وہ لوگ جو مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور ہوا و ہوس کی زنجیروں کو نہیں توڑتے، ان پر ایک ایسا وقت آئے گا جب ان کے لئے ان زنجیروں کو توڑنا مشکل ہو جائے گا۔

انسان اور راز و نیاز

مثنوی میں ایک بہت اچھا جملہ نقل کیا گیا ہے:

”خدا نے بشر کو خدا خدا کرنے اور راز و نیاز کرنے کے لئے پیدا کیا اور اگر اس طرح نہیں کرے گا تو پھر کل کو جہنم میں گر یہ دبا کرے گا۔“

یہ کتنا اچھا جملہ ہے، لہذا آپ حضرات سے یہ کہوں گا کہ حیوانی خواہشات کی سلاسل کو دنیا ہی میں توڑ دیں۔ اگر یہاں پر توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو نجات تمہارے مقدر میں ہو گی، اگر کوئی یہ کہے کہ میں موت کی دہلیز پر پہنچ کر ان زنجیروں کو توڑ پھینکوں گا تو یہ انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے۔

روایات میں ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے خواہشات نفس کی غلامی کی اور ان زنجیروں کو توڑا تو جب حضرت عزرائیل جان نکالے گا ان کے لئے اس قدر مشکل اور سخت ہوگا جس قدر حیات میں مقید انسان کی انگلی، ناخن کھینچنا سخت ہے۔ کیا اس حدیث کا معنی آپ کو معلوم ہے؟ جب انسان خواہشات نفس کے تابع ہو تو مشکلات کا مقابلہ کر کے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ یہ خواہش نفسانی مجسم ہو کر سامنے آئے گی۔ مثلاً اگر کوئی شخص مال و دولت کا پجاری ہے تو یہ بت کی صورت میں اس کے سامنے مجسم ہوگا اور شیطان اسی چیز سے استفادہ کرتا ہے اور اسے اپنی راہ پر چلا لیتا ہے ادھر سے عزرائیل اپنا کام انجام دیتا ہے اور اس کی حیات کاٹ دیتا ہے۔

ایک مقدسہ اور نیک خاتون نے مجھے بتایا تھا کہ کسی شخص کو حالت احتضار میں کہا گیا تھا کہ لا الہ الا اللہ کہو۔ وہ شخص لا الہ الا اللہ کی بجائے حساب کتاب کرنے لگ گیا، کیونکہ وہ شخص سود خور تھا، چونکہ لکھنا نہیں جانتا تھا لہذا وہ اپنی انگلیوں پر حساب کیا کرتا تھا۔ حساب کرتے کرتے اس کی روح پرواز کر گئی۔ کلمہ حق اس کی زبان پر اس لئے جاری نہ ہو سکا کیونکہ وہ خواہشات نفس کا غلام تھا۔

ہارون الرشید کے بارے میں لکھتے ہیں:

موت کے وقت اس نے کہا تھا کہ مجھے بلند مقام پر لے جایا جائے تاکہ میں اپنے لاؤ لشکر کو دیکھ سکوں۔ جب اسے بلندی پر لے جایا گیا تو وہ اپنی رعایا کو مسلسل دیکھ رہا تھا۔ یہ جملہ اس کی زبان پر جاری تھا۔

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَّةٌ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ. (سورہ الحاقہ، آیت: ۲۹، ۳۰)

”میرا مال میرے کام نہ آیا، میری حکومت بھی برباد ہو گئی۔“

گویا ہارون یہ کہہ رہا تھا اے لوگو! تم نے دیکھا یہ مال و دولت مجھے کوئی فائدہ نہیں دے

سکا اور اس حکومت و سلطنت نے مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے۔

یاد رکھو مال و ثروت کا ہاتھ سے جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ انسان کی تباہی و بربادی اس وقت ہے جب اس کا ایمان اس سے چھن جائے۔ ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے، جنہوں نے دل کا کوئی خانہ خدا کے لئے نہیں چھوڑا ہے، بلکہ چڑیا گھر بنا رکھا ہے۔ ہوا و ہوس، مال و دولت اور ریاست طلبی کے بتوں کی پوجا کرتے پھر رہے ہیں۔

علم اخلاق کے ایک عالم فرماتے ہیں:

”اے لوگو! اگر تمام لوگ کہیں کہ مشرک نہ بنو مگر میں یہ کہوں گا کہ کم از کم مشرک تو بنو تا کہ تمہارے دل میں اگرچہ انکار کی صورت میں سہی خدا کا کوئی نہ کوئی مقام تو ہو۔“

یہ دل خانہ خدا ہے، تم نے اس سے خدا کو باہر نکال کر شیطان کو جگہ دی ہوئی ہے۔ موت کا وقت بہت مشکل گھڑی ہے اس وقت ہر حال میں شیطان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح تمہارا ایمان برباد کر دے تاکہ تم بے ایمان ہو کر اس دنیا کو چھوڑ دو۔

انسان اور موت

زندگی کے آخری لمحات کے وقت جب حضرت عزرائیل حکم خدا سے قبض روح کے لئے آتا ہے تو اس وقت حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام بھی مرنے والے کے پاس موجود ہوتے ہیں۔ یہ شخص دنیا سے رخصت نہیں ہوتا ہے لہذا یہ ان دونوں کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے آپ کسی کو اس کے گھر سے نکال دینے کا حکم کرتے ہیں تو صاحب منزل حکم دینے اور نکالنے والے شخص کو اپنا دشمن خیال کرتا ہے لہذا ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ایسی صورت حال پیش نہ آئے کہ ہم امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور حضرت عزرائیل کو اپنا دشمن خیال کریں اور دل کا شیشہ زنگ آلود ہو جائے اور ہم ان کے جمال کو صحیح طور پر دیکھ نہ پائیں۔

کیا آپ نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ شیشہ کو جب زنگ لگ جائے تو اس میں شکل و صورت صحیح طور پر نظر نہیں آتی ہے؟ اگر دل خواہشات نفس کی پیروی میں زنگ آلود ہو جائے تو زندگی کے آخری لمحات میں ملک مقرب خدا حضرت عزرائیل اور عبد مقرب خدا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے نورانی چہرے صحیح طور پر نظر نہیں آ سکیں گے۔

پیغمبر اکرمؐ ایک نوجوان کی حالت احتضار کے وقت اس کے پاس آئے اور اسے فرمایا: کہو لا الہ الا اللہ۔ لیکن وہ نوجوان ان کلمات کو ادا نہ کر سکا۔ پیغمبر اکرمؐ متوجہ ہوئے کہ گناہوں کی وجہ سے اس کا دل زنگ آلود ہو چکا ہے جس کی وجہ سے یہ لا الہ الا اللہ نہیں کہہ پا رہا ہے۔

آپ نے پوچھا: کیا اس کی ماں زندہ ہے؟
لوگوں نے کہا: ہاں زندہ ہے۔ اس کی ماں کو بلایا گیا۔
پیغمبر اکرمؐ نے اس سے پوچھا: کیا تم اپنے بیٹے پر راضی ہو؟
اس عورت نے کہا: میں اس سے راضی نہیں ہوں۔

آپ نے فرمایا: اللہ کے لئے معاف کہہ دو۔ جب وہ عورت اپنے بیٹے پر راضی ہو گئی تو آپ نے اس نوجوان سے کہا: اب کلمہ لا الہ الا اللہ ادا کرو۔ اس نے یہ کلمہ ادا کیا۔ آپ نے اس نوجوان سے پوچھا: اب کیا دیکھ رہے ہو؟
اس نوجوان نے کہا:

یا رسول اللہ! ایک بدھیکل اور ڈراؤنے شخص کو دیکھ رہا ہوں، جس نے اپنا ہاتھ میری رگ حیات پر رکھا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا: اے نوجوان! یہ کلمات ادا کرو۔

يَا مَنْ يَقْبَلُ الْيَسِيرَ وَيَعْفُو عَنِ الْكَثِيرِ اِقْبِلْ مِنِّي الْيَسِيرَ وَاعْفُ عَنِ الْكَثِيرِ.

”اے وہ ذات! جس نے میری چھوٹی سے چھوٹی خواہش کو پورا کیا اور بڑے سے بڑے گناہوں کو معاف کیا۔ میرے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو قبول فرما اور کبیرہ گناہوں کو بخش دے۔“

اس کے بعد آپ نے فرمایا: اس جملے کا تکرار کرو۔

اس کے بعد پوچھا: اب کیا دیکھ رہے ہو؟

اس نوجوان نے کہا: یا رسول اللہ! اب میں خوشبو میں غرق ایک نوجوان کو دیکھ رہا ہوں، جو مجھے پھولوں کا ہدیہ پیش کر رہا ہے تاکہ میں ان کو سونگھوں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”وہ پھول اس سے لے کر ان کی خوشبو سونگھو۔“ اس نے پھول لے کر انہیں سونگھا تو اس کی روح قفسِ عنصری سے عالم ملکوت کی طرف پرواز کر گئی۔

اس روایت سے عرفانِ اسلامی، فقہِ آن اور روایات کے ذریعے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اگر دل زنگ آلود ہو جائے تو احتضار کی گھڑی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام جان کنی کے وقت ہمارے پاس ہوں اور ہم ان کے نورانی چہرے کا صحیح طور پر دیدار نہ کر سکیں۔ ہمیں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے خدا کا مقدس، مقرب فرشتہ حضرت جبرائیل ناراض ہو۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کے پاس آتے ہیں، آپ کی آنکھوں میں سخت درد تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! شاید آپ کی آنکھوں میں سخت درد ہو رہا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے کہا: یا رسول اللہ! اتنا شدید درد ہے کہ شاید زندگی بھر ایسا درد نہیں ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصد فرمایا کہ کوئی ایسا بملہ ہا جائے جس سے علی

اپنا درد بھول جائے۔

آپ نے فرمایا:

علیؑ کافر کی روح قبض کرنے کے لئے خدا کا فرشتہ عزرائیل لوہے کی سلاخیں لے کر انہیں سلاخوں سے کافر کی روح اس کے بدن سے نکالے گا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے جب یہ سنا تو فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہا:

یا رسول اللہ! میں درد کو بھول گیا ہوں، یہی جملہ ایک دفعہ اور فرمائیں تاکہ یہ درد بالکل بھول جاؤں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ کی امت میں کوئی ایسا شخص ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔

ظالم شخص ایسا ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ ظالم کون ہے؟ آیا وہ شخص ظالم ہے جو دوسروں کو اذیت دے؟ دوسروں کا مال و منال تباہ برباد کرے؟ ہاں یہ ظلم کی ایک قسم ہے، اصل ظالم وہ شخص ہے جو دوسروں کی آبروریزی کرے۔ دوسروں کی ناموس کو پائمال کرے۔ دوسروں کی شخصیت کو تباہ کرے۔

آخر میں ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں اگرچہ آپ کے مزاجوں پر سخت گزراے گا لیکن کیا کروں جب اپنے گریبان میں جھانکتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ میرا دل زنگ آلود ہے۔ شاید یہ جملہ میری اور آپ کی بیداری کا سبب بنے۔ شاید ہماری نجات کا باعث ہو۔

میرے استاد بزرگوار رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؑ نقل کرتے ہیں کہ میں ایک اہل علم کی عیادت کے لئے گیا، اس کی موت کا وقت قریب تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا: فلاں تم ہو؟

میں نے کہا: ہاں۔

اس نے کہا: خدا عجیب ظالم ہے۔

میں نے پوچھا: کیا ہو گیا ہے، خدا کیوں ظالم ہے؟

اس نے کہا: خدا مجھ میں اور میری اولاد کے درمیان جدائی ڈالنا چاہتا ہے۔ پس اگر آئمہ اطہار علیہم السلام کی ولایت ہمارے شامل حال نہ ہو تو پھر معاملہ ادھر تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ شخص جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ علمی پیچیدگیوں کو حل کرنے میں گزارا ہو وہ خدا پر نعوذ باللہ ظالم ہونے کا الزام لگاتا ہے۔ ایسا شخص نہ بغض علیٰ بلکہ بغض خدا کے ہمراہ دنیا سے رخصت ہوگا۔

حضرت آیت اللہ گلپایگانی نقل کرتے ہیں: میں ایک عالم کی عیادت کے لئے گیا جو حالت احتضار کے لمحات گزار رہا تھا اس بوڑھے شخص نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کیا تم فلاں شخص ہو؟

اس نے کہا: خدا عجیب ظالم ہے۔

میں نے کہا: کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: ہم دونوں طالب علم تھے۔ دونوں اکٹھے درس پڑھتے تھے، تم بلند مرتبہ پر فائز ہو جب کہ میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟

اگر گرہ کشائی نہ کر سکو تو ایک دن ضرور لاوا ابلے گا، جو ہر چیز میں لرزش پیدا کر دے گا۔

الْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۔ (سورہ تکاثر، آیت: ۲، ۱)

”تمہیں باہمی مقابلہ کثرت مال و اولاد نے غافل بنا دیا، یہاں تک کہ تم نے

قبروں سے ملاقات کر لی۔“

اے محترم! کیا کر رہے ہو؟ خدا کی قسم! ہم طالب علم اور آپ تاجر کیا کر رہے ہیں؟ ہم

طلباء درس و بحث میں مصروف ہیں، تم تجارت پیشہ حضرت علی الصبح بازار کا رخ کرتے ہو اور

اپنے کاروبار زندگی میں مشغول ہو جاتے ہو۔ اگر نیک و مقدس انسان ہو تو ظہر کے وقت فریضہ

الہی یعنی نماز ادا کرتے ہو۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دوبارہ اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہو، خلاصہ یہ ہے کہ زندگی کے شب و روز ماہ و سال اسی کشمکش میں گزر جاتے ہیں۔ انسان کب متوجہ ہوتا ہے؟

النَّاسُ نِيَامٌ وَإِذَا مَاتَ تُوْبَتُهُوْا۟۔

انسان اس وقت متوجہ ہوتا ہے جب زندگی کی شام ڈھل چکی ہوتی ہے۔ فرشتہ موت حضرت عزرائیل اور امیر المومنین علی علیہ السلام سر پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت انسان پکار پکار کر کہتا ہے:

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لِعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ۔

(سورہ مومنون، آیت: ۹۸، ۹۹)

”کہے گا: پروردگار مجھے پلٹا دے، شاید اب میں کوئی نیک عمل انجام دوں۔“

اس وقت انسان سے خطاب ہوگا:

كُلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَّرَآءِ هِمۡمٌ بَرَزَخٍ اِلٰی یَوْمٍ یُّعۡثَوۡنَ۔

(مومنون، آیت: ۱۰۰)

”ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے ایک عالم

برزخ ہے جو قیامت کے دن تک قائم رہنے والا ہے۔“

اے غافل انسان! متوجہ ہو جاؤ، موت کا لمحہ بڑا سخت ہے۔ اس قدر احتیاط سے زندگی

میں قدم اٹھائیں کہ تمام راستے آسانی سے طے ہو سکیں۔

وَجُوۡةٌ یَّوۡمَ اِذۡنَا نَاصِرَةٌ اِلَی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ (سورہ قیامہ، آیت: ۲۲، ۲۳)

”اس دن بعض چہرے شاداب ہوں گے، اپنے پروردگار کی نعمتوں پر نظر

رکھے ہوئے ہوں گے۔“

روز قیامت نورانی چہرے جب خدا کے نور کو دیکھیں گے تو لطف اندوز ہوں گے اور

ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جن کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

ایک خالص شیعہ کی حسرت یہ ہوگی کہ روز قیامت امیر المومنین علی علیہ السلام کی زیارت کرے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشے۔

روز قیامت بہشتی، دوزخیوں کو اور دوزخی جنتیوں کو دیکھیں گے، جنتی جب حوض کوثر سے جام بھر بھر کے نوش کریں گے تو دوزخی ان سے پانی کی التماس کریں گے لیکن وہ ان کا مزاق اڑائیں گے اور کہیں گے: یہ پانی تمہارے اوپر حرام ہے، تم اسے نہیں پی سکتے ہو۔

قرآن فرماتا ہے: روز قیامت منادی بلند آواز سے فریاد کر رہا ہوگا: اے جہنمیو! تم پر خدا کی لعنت ہو، خدا نے تو بہشت تمہارے لئے خلق فرمایا ہے: جب کہ تم نے پیغمبر اور علی علیہما السلام کو چھوڑ کر شیطان کی پیروی کی ہے اور خود کو جہنم کا ایندھن بنایا ہے، خدا کی تم پر لعنت ہو۔



باب سوئم

اسلام کی نگاہ میں انسانی زندگی میں برائی و تقاضا

ہماری بحث کا تیسرا مقدمہ یہ تھا کہ انسان ایک ایسا موجود ہے جو دو جہتوں ملکوتی و رحمانی بنام روح اور ناسوتی و مادی سے مرکب ہے۔ یہ دونوں جنبے اس بات کا باعث بنتے ہیں کہ یہ وجود تکمیل کے مراحل و مدارج طے کرتا ہوا خدا کے نزدیک مقام و مرتبہ حاصل کر سکے۔ اور خداوند تعالیٰ اسے اپنا مخاطب قرار دیتے ہوئے اپنے نزدیک کرے۔

جنبہ رحمانی کی غذا

اسلام کی نظر میں دونوں جنبے غذا اور خوراک کے محتاج ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ان دونوں جنبوں کے لئے غذا مہیا کی جائے۔ جس طرح اسلام کی نظر میں جنبہ ملکوتی و روحانی کے لئے غذا کی ضرورت ہے اسی طرح جنبہ حیوانی و ناسوتی یعنی جسم، غرائز اور تمایلات بھی اسلام کی نگاہ میں غذا کے محتاج ہیں۔ اگر انسان کا جنبہ روحانی و ملکوتی مرجائے، اسے صحیح طور پر غذا نہ دی جائے وہ انسان درندے سے بدتر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کے بعد حیوانی و جنبہ عادی یعنی غرائز و تمایلات کا صحیح طور پر تغذیہ نہ ہو تو یہ اس شخص سے کم نہیں ہوگا جس کا جنبہ روحانی مر چکا ہو، لہذا جب ہم قرآن اور روایات اہل بیت علیہم السلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں جتنی

تاکید جنبہ روحانی کی غذا کے بارے میں ہوتی ہے اتنی ہی تاکید جنبہ ناسوتی و مادی کے بارے میں کی گئی ہے۔ مثلاً اسلام نے جنبہ روحانی کی غذا کے لئے نماز و روزہ وغیرہ کا حکم دیا ہے۔ جس طرح انسان کا جسم ہر روز صبح، ظہر اور رات کو غذا کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح روح بھی ہر روز مختلف اوقات میں غذا کا محتاج ہے۔ قرآن فرما رہا ہے:

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيْ النَّهَارِ وَزُلْفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ

السَّيِّئَاتِ. (سورہ ہود، آیت: ۱۱۴)

”اور پیغمبر آپ دن کے دونوں حصوں میں اور رات گئے نماز قائم کریں کہ

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دینے والی ہیں۔“

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ السَّيِّئَاتِ.

یہاں پر ظاہراً اس کا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھو وہ تمہارے زنگ آلود کو صاف کر دے گی،

نماز پڑھو تا کہ تمہارا دل برائیوں سے پاک ہو جائے۔ سورہ اسراء میں رب العزت کا ارشاد ہے:

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ

قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا. (سورہ اسراء، آیت: ۷۸)

”آپ زوال آفتاب سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں اور نماز صبح بھی

کہ نماز صبح کے لئے گواہی کا انتظام کیا گیا ہے۔“

واضح رہے کہ قرآن کریم نے نماز کے دونوں اوقات بیان کئے ہیں۔ دونمازوں کو

زوال سے وابستہ کیا ہے اور دو کو تاریکی شب سے اور ایک کو فجر سے۔ لہذا تین اوقات پر

اعتراض کرنا قرآن سے ناواقفیت کی واضح دلیل ہے۔

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا.

شاید یہ معنی ہو کہ وہ تمام خصوصیات جو ظہرین و مغربین میں پائی جاتی ہیں شاید نماز صبح

میں بھی موجود ہیں۔ ان نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز کی تاکید کی گئی ہے جو رات کے آخری

حے میں پڑھی جانی چاہیے۔ جسے نماز تہجد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ سورہ اسراء میں ارشاد ہو رہا ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا. (اسراء، آیت: ۷۹)

”اور رات کے کسی قدر حے میں سو کر بیدار ہوں اور نماز تہجد پڑھیں یہ آپ کے لئے اضافی چیز ہے عنقریب آپ کا پروردگار اسی طرح آپ کو مقام محمود تک پہنچا دے گا۔“

یعنی خدا چاہتا ہے کہ تمہیں مقام محمود پر فائز کرے۔ یہ اس صورت میں ہو گا جب آپ آدھی رات کو اٹھ کر اپنے خالق کے ساتھ راز و نیاز کریں گے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہو رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا.
”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔“

یعنی اے صاحب ایمان! انسان ہمت کے مطابق ذکر خدا میں مشغول رہے، جس قدر ہو سکے ذکر کرتے رہا کریں۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

خدا نے واجبات و مستحبات کے لئے ایک حد معین فرمائی ہے لیکن اس آیت کریمہ میں ذکر کی کوئی حد بندی نہیں کی ہے۔ مثلاً کہا ہے کہ سترہ رکعت نماز ہر روز واجب ہے جبکہ اکاون رکعت مستحب ہے۔

زندگی میں ایک دفعہ حج واجب ہے۔ سال میں ایک ماہ کے روزے واجب ہیں، لیکن جب ذکر کا مرحلہ آتا ہے تو فرماتا ہے:

ذِكْرًا كَثِيرًا

”یعنی بہت زیادہ ذکر کیا کرو۔“

سورہ مریم میں فرمایا ہے:

أَنْ سَبَّحُوا بُكْرَةً وَعَشَا. (سورہ مریم، آیت: ۱۱)

”صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہو۔“

خداوند کریم قرآن میں گیارہ مرتبہ قسم کھانے کے بعد فرما رہا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا. (سورہ شمس، آیت:)

”بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا۔“

قرآن مجید میں اس آیت کریمہ کے علاوہ کوئی بھی ایسی آیت نہیں ملتی ہے جو اتنی

تاکید کے بعد بیان کی گئی ہو۔ کامیاب صرف وہی شخص ہے جس نے خود سازی کی ہو۔ جس

نے صفات رذیلہ اور قساوت قلبی جیسی صفات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہو۔ وہی شخص اجر و

ثواب اور بہشت کا مستحق ہے۔

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا. (الشمس، آیت: ۱۰)

”اور وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔“

شقی و بد بخت وہ شخص ہے جس نے صفات رذیلہ کو اپنالیا ہو۔

سورہ زمر میں ارشاد قدرت ہے:

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (سورہ زمر، آیت: ۲۱)

”افسوس ان لوگوں کے حال پر جن کے دل ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے۔“

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ. (سورہ زمر، آیت: ۲۱)

”کیا وہ شخص جس کے دل کو خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے، وہ اپنے

پروردگار کی طرف سے نورانیت سے محروم ہے؟“

اس طرح کی آیات قرآن مجید میں بہت زیادہ بیان کی گئیں ہیں، جو اس بات کی

تاکید کرتی ہیں کہ انسان اپنے جنبہ ملکوتی کی صحیح طرح سے حفاظت کرے۔ اگر حفاظت نہیں کرے گا تو دل زنگ آلود ہو جائے گا۔ اگر دل زنگ آلود ہو گیا تو قساوت قلبی آ جائے گی اور جب قساوت قلبی آ گئی تو کُنْ یُفْلِحْ أَبَدًا یعنی ایسا شخص کبھی بھی فلاح و کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوگا۔

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ انسان جب گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے۔ اگر توبہ نہ کرے اور کوئی دوسرا گناہ سرانجام دے دے تو وہ نقطہ پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نقطہ بڑا ہوتے ہوتے پورے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو کُنْ یُفْلِحْ أَبَدًا فلاح و کامیابی کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔

جنبہ مادی کی غذا

قرآن نے جس قدر جنبہ ملکوتی کے تغذیہ کی تاکید فرمائی ہے اسی قدر جنبہ مادی کے تغذیہ کی بھی تاکید کی ہے۔ ارشادِ قدرت ہو رہا ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ.

”اے اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس زینت ساتھ رکھو اور کھاؤ

پیو مگر اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔“

یعنی اے لوگو! احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھیں، کھانے پینے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ صرف اتنا

خیال کرنا اسراف سے بچنا، عیاشی سے دور رہنا۔ اس کے بعد ارشادِ قدرت ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ.

(سورہ اعراف، آیت: ۳۲)

”پیغمبر! آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے

لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کیا ہے؟“

اے پیغمبر! وہ لوگ جواز دواج نہیں کرتے اور نہ ہی کھاتے پیتے ہیں، لوگوں سے کنارہ کش ہیں اور تارک الدنیا بننا چاہتے ہیں انہیں آپ بتادیں یہ یہودیوں کا شیوا ہے۔ کس نے کہا ہے کہ مسلمان کو ایسے ہونا چاہیے؟ ان سے پوچھو، کھانا پینا وغیرہ کس نے ان پر حرام کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

یہ سب زیۃ اللہ ہیں۔ یہ خدا کا پاکیزہ رزق تمہارے لئے ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کافر اسے کھاتے پیتے ہیں تو یہ صرف مسلمانوں! تمہارے وجود کی برکت سے ہے۔ نعمات الہی کا سبب تمہارا وجود ہے۔ اگرچہ دنیا میں یہ نعمتیں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مشترک ہیں لیکن آخرت میں یہ صرف تمہارے لئے ہوں گی۔

ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ. (سورہ قصص، آیت: ۷۷)

”اور جو کچھ خدا نے دیا ہے اس سے خانہ آخرت کا انتظار کرو۔“

اے انسان! جس طرح تو نے مال، علم، قدرت اور عقل سے آخرت کے لئے استفادہ کیا ہے اسی طرح دنیا میں بھی انہی چیزوں سے استفادہ کر۔ دنیا سے کنارہ کشی نہ کر، راہبوں والی زندگی نہ اپناؤ، خدا کی نعمتوں سے صحیح طور پر استفادہ کر۔

مرحوم ملا حسن فیض کاشانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت نقل کرتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ آیت عذاب سن کر شہر کے تین نوجوان خوف کے مارے شہر چھوڑ کر بیابان نشین ہو گئے ہیں اور وہاں پر عبادت میں مشغول ہیں۔ ان تینوں نے علیحدہ علیحدہ نذر مانی ہوئی ایک ہے نذر کی ہے کہ وہ کبھی بھی ازدواج نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی عورت کے نزدیک جائے گا۔ دوسرے نے یہ نذر کی کہ کسی صورت لذیذ کھانا نہیں کھائے گا، جب کہ تیسرے نے یہ نذر کی ہوئی ہے کہ اجتماعی زندگی سے دور رہے گا۔

اسلام اور علماء کے فتویٰ کے مطابق اگر کوئی شخص ایسی نذر مانتا ہے تو وہ منعقد نہیں

ہوگی، یعنی درست نہیں ہے، کیونکہ نذر کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے رائج ہونا چاہیے، جب کہ فقہاء اسلام فرماتے: ایسی نذر رجحان نہیں رکھتی ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی نذر کے صحیح یا غلط ہونے سے کوئی سروکار نہیں ہے بلکہ ان کے لئے اس بدعت کو روکنا اہم تھا۔ لہذا آپ بے وقت مسجد کی طرف اتنا تیزی سے چلے کہ آپ کی عبا مبارک کی ایک طرف شانے پر تھی جب کہ دوسری طرف زمین پر لگ رہی تھی۔ حضرت بلال سے فرمایا: اذان کہو، لوگوں کو مسجد میں بلاؤ۔ بلال نے حکم کی تعمیل کی۔ لوگ پریشان ہو گئے کہ یہ بے وقت کیوں مسجد میں آنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑے، دکانیں بند کیں، مرد اور عورتیں سب مسجد کی طرف چل پڑے تاکہ معلوم کریں کہ آج کیا ہو گیا ہے۔ جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر کے پہلے زینے پر کھڑے ہو گئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج کوئی بہت اہم مسئلہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

”اے لوگو! میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں میں اپنی عورت کے ساتھ رابطہ رکھتا ہوں، میں لذیذ کھانے بھی کھاتا ہوں اور معاشرتی و اجتماعی زندگی بھی گزار رہا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

”پس جس نے بھی میری سنت سے انحراف کیا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔“

اسلام اور گوشہ نشینی

گوشہ نشین مسلمان کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ صرف مسجد میں گوشہ نشین مسلمان کو اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام جب کوفہ تشریف لائے تو آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ چند افراد مسجد میں گوشہ نشین ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ آپ کو بتایا گیا یہ رجال الحق ہیں۔

یہ خبر امیر المومنین کے لئے نئی تھی۔ آپ نے پوچھا:

رجال الحق یعنی چہ؟ بتایا گیا یہ لوگ ہمیشہ مسجد میں عبادت خدا میں مصروف رہتے ہیں اگر انہیں کوئی چیز مل جائے تو یہ کھا لیتے ہیں اگر کوئی چیز نہ ملے تو صبر کرتے ہیں۔ امیر المومنین فرماتے ہیں:

کتابھی اسی طرح ہوتا ہے کہ اسے اگر کوئی چیز مل جائے تو کھا لیتا ہے اگر کچھ نہ ملے تو صبر کرتا ہے۔ اس کے بعد امیر المومنین نے تازیانہ اٹھایا اور انہیں مارنا شروع کر دیا اور فرمایا: رجال الحق یعنی چہ؟ مسجد سے نکل جاؤ۔ کاروبار زندگی میں مشغول ہو جاؤ۔

عمر بن ازیٰنہ امام صادق علیہ السلام کے ایک خاص صحابی تھے۔ آپ بہت نیک اور بوڑھے تھے آپ کوفہ میں تجارت کرتے تھے۔ ظاہراً کاروبار کرتے کرتے تھک چکے تھے۔ کاروبار زندگی چھوڑ کر مدینہ میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے پوچھا: اے عمر بن ازیٰنہ تم کیسے ہو؟

اس نے کہا: میں نے کاروبار چھوڑ دیا ہے۔ یہ سن کر امام علیہ السلام غصے میں پوچھتے ہیں: تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: یا بن رسول اللہ! بوڑھا ہو چکا ہوں باقی زندگی گزارنے کے لئے میرے پاس بہت کچھ ہے، سوچا ہے زندگی کے آخری ایام مسجد میں حالت اعتکاف میں گزار دوں۔

امام علیہ السلام نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

هَذَا مِنْ قِلَّةِ عَقْلٍ.

”یہ تمہاری کم عقلی ہے۔“

کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا:

اے عمر بن ازینہ! جاؤ اپنے کاروبار تجارت میں مصروف ہو جاؤ، نماز کے وقت نماز ادا کر کے اپنے دل کو روشنی عطا کرو، اور کاروبار سے تمہیں جو بچت ہو اگر وہ تیرے اخراجات سے زیادہ ہو تو دوسروں کو عطا کرو۔ یعنی خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔

صاحب وسائل، وسائل کی بارہویں جلد میں روایت نقل کرتے ہیں: شہر کوفہ سے نجار کا ایک گروہ امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام نے ان سے اپنے ایک خاص صحابی کے بارے میں دریافت کیا: تو انہوں نے بتایا کہ اس نے کاروبار چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ مسجد میں گوشہ نشین ہے۔ شب و روز عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے مرثیہ فرمایا:

هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

”یہ کام شیطان کا ہے۔“

اس کے بعد آپؐ نے اس کے نام وہی پیغام بھیجا جو کچھ آپؐ نے عمر بن ازینہ کو فرمایا تھا کہ گوشہ نشینی چھوڑو، کاروبار زندگی میں مصروف ہو جاؤ، نماز کے وقت نماز ادا کرو، اپنی دنیا و آخرت دونوں کو سنوارو، اگر تمہارے پاس مال و دولت زیادہ ہو جائے تو دوسروں میں تقسیم کر دو، یہ گوشہ نشینی درست نہیں ہے۔

اسلام میں زہد کا معنی

اسلام میں زہد و تقویٰ کا یہ معنی نہیں ہے کہ انسان معاشرتی زندگی سے بالکل لا تعلق ہو جائے۔ کم خوری اور کم خوابی اپنا شیوا بنالے۔ بیوی بچوں سے تعلقات منقطع کر لے اور صرف اپنے حال میں مست ہو جائے۔ اسلام میں زہد کا معنی حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے

بہترین انداز سے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ۔

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
زہرچہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

”میں وہ صاحب ہمت مرد ہوں کہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے ہر اس چیز
سے آزاد ہوں جو دوسروں کا اثر قبول کرتی ہے۔“

زہد یہ کہے کہ انسان خط مستقیم سے منحرف نہ ہو۔ مال و دولت کا نہ ہونا زہد نہیں ہے۔
زہد یہ ہے کہ ریاست و حکومت کی محبت اس کے پاؤں کی زنجیر نہ بنے۔ ریاست و حکومت زہد
کے منافی نہیں ہے۔ زہد وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاؤں مشکلات میں نہ ڈگمگائیں اور کسی
قیمت راہ حق سے منحرف نہ ہو۔

معلم علم اخلاق صاحب کتاب معراج السعاده عظیم فقیہ ملا احمد نراقی رحمۃ اللہ علیہ کے
بارے میں بیان کرتے ہیں کہ کسی درویش نے ان کی کتاب معراج السعاده میں باب تقویٰ کا
مطالعہ کیا؟ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ شخص ملا احمد نراقی کا فریفتہ ہو گیا۔ مرحوم محقق
نراقی عظیم المرتبہ فقیہ تھے، حتیٰ کہ مرحوم شیخ انصاریؒ نے بھی کچھ عرصہ ان سے کسب فیض کیا۔
کاشان میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ یہ درویش طویل سفر طے کر
کے کاشان پہنچا۔ کاشان پہنچ کر ملا احمد نراقی کی شان و شوکت دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے، اور
دل میں سوچتا ہے کہ یہ سب کچھ معراج السعاده میں لکھے گئے باب زہد کے بالکل منافی ہے۔
کچھ روز اس درویش نے وہاں اس کشمکش میں گزارے کہ ملا احمد نراقی سے پوچھوں کہ یہ سب
کچھ کیا ہے، لیکن شرم کی وجہ سے سوال نہ کیا صاحب معراج السعاده پہلے دن ہی سمجھ گئے تھے کہ
یہ درویش کس مشکل سے دوچار ہے۔ تیسرے دن یہ درویش واپس جانے لگا تو آپ نے
پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟

اس نے جواب دیا: میں کر بلا جانا چاہتا ہوں۔

انہوں نے کہا: میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ وہ شخص پریشان ہو گیا اس نے کہا: جناب میں کچھ دن آپ کا منتظر رہتا ہوں تاکہ آپ تیار ہو سکیں۔

مرحوم ملا احمد نراقیؒ نے فرمایا: میں ابھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اس نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سب کچھ اسی طرح چھوڑ کر آپ میرے ساتھ چل پڑیں گے؟ آقا مرحوم نراقیؒ نے کہا: ابھی اٹھو اور یہاں سے پیدل کر بلا چلتے ہیں۔ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے۔ وہ درویش اپنا کشلول اٹھانا بھول گیا تھا۔ کاشان سے چار فرسخ (۱۲ میل) کے فاصلے پر ایک چشمے کے نزدیک پڑاؤ ڈالا تو اس درویش کو یاد آیا کہ وہ اپنا کشلول بھول آیا ہے۔ وہ واپس پلٹنا چاہتا تھا کہ جا کر اپنا کشلول لے آئے۔

مرحوم نراقیؒ نے فرمایا: کوئی بات نہیں ہے جب کر بلا سے واپس آئیں گے تو تمہیں تمہارا کشلول مل جائے گا یا تمہیں نیا خرید کر دے دوں گا۔

اس درویش نے کہا: ایسا نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ مجھے اپنے کشلول سے محبت ہے۔ میں اس کے بغیر سفر نہیں کر سکتا ہوں۔

مرحوم نراقیؒ نے کہا: کیا تم اسے نہیں چھوڑ سکتے ہو؟

اس نے کہا: اسے نہیں چھوڑ سکتا ہوں۔

مرحوم نراقیؒ نے فرمایا: میں بھی کر بلا نہیں جاؤں گا اور یہاں سے واپس پلٹ جاؤں گا۔ لہذا تم بھی میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں تمہارا کشلول واپس دے دوں اور فرمایا: میرے اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے میرے پاس مال و دولت اور حکومت سب کچھ ہے لیکن مجھے ان سے کوئی محبت نہیں ہے لیکن تمہارے پاس ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے تم صرف ایک کشلول کے مالک ہو جو تمہارے لئے ایک بت کا درجہ رکھتا ہے۔

ہمارے بزرگوار استاد رہبر عظیم الشان انقلاب نے کئی بار ہمیں نصیحت فرمائی ہے کہ فرض کریں یہ انگوٹھی آپ کی ملکیت ہے آپ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ اب یہ بتائیں وہ

کون سا انگیرہ ہے جس کی وجہ سے یہ آپ کے لئے بت کی صورت دھار لے؟ یا یہ عبامیری ملکیت ہے، مجھے اس سے محبت ہو یا نہ ہو میں اس سے استفادہ کرتا ہوں وہ کون سی چیز ہے جس کی وجہ سے یہ عبامیرے لئے ایک بت بن جائے؟

زہد یعنی عدم دلچسپی

زہد یعنی نیکی کے علاوہ کسی بھی چیز سے کوئی دلچسپی نہ رکھنا۔ مثلاً اگر مال و ثروت ہے تو وہ اسے پرندے کی طرح پنجرے میں قید کر دے یا اگر حکومت و ریاست اس کے پاس ہے تو وہ اسے اپنے حصار میں نہ لے لے۔ اگر کسی کے پاس انگوٹھی یا گھر ہے وہ بت کی طرح ان کی پرستش نہ کرے۔ یا اس کا صرف ایک ہی بیٹا ہے وہ اس کی محبت میں ہر چیز کو بھول نہ جائے۔ اسلام نے نفس کشی ”یعنی خواہشات کو قتل کرنا“ کو حرام قرار دیا ہے۔ حتیٰ ایسے دستورات جو صوفی حضرات خود سازی کے لئے دیتے ہیں ان سے بھی اسلام نے روکا ہے۔ اسلام صرف یہ کہتا ہے کہ نفس امارہ سے مقابلہ کرو، ہوا و ہوس کی مخالفت کرو، حب مال، مقام اور ریاست کی مخالفت کرو۔ محبت صرف اور صرف خدا کی ذات سے کر۔ خدا کے علاوہ کسی سے بھی محبت کرنا درست نہیں ہے۔ خدا کہتا ہے کسی چیز سے بھی پرستش کی حد تک محبت نہ کرو۔ اسلام نے نفس امارہ سے مبارزہ و مقابلہ کرنے کی روش بیان فرمائی ہے۔

علماء اخلاق فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے پھر وہ سزا کے طور پر اپنی زبان کاٹے یا اپنے آپ کو کوڑے مارتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ یا اگر کوئی شخص غیبت کرتا ہے اور سزا کے طور پر اپنے آپ کو تیس تازیانے مارتا ہے، یا کوئی چوری کرنے کی وجہ سے اپنے ہاتھ کاٹ لیتا ہے یہ درست نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے، یعنی اپنے آپ کو اس طرح کر لیتا ہے کہ ازدواج کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ یا نفس کشی کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ سب حرام ہے۔

انسانی زندگی میں برابری

انسان اگر اٹکل گھوڑے یعنی نفس امارہ کو مہار کرنا چاہتا ہے تو اس کی ضروریات کے مطابق غذا مہیا کرنی پڑے گی۔ اگر آپ گھوڑے پر سواری کرنا چاہتے ہیں تو مناسب دانا اور چارہ دینا پڑے گا۔ ورنہ وہ بہتر طور پر سواری کے کام نہیں آ سکتا ہے۔ اسی طرح انسان کا اگر کوئی ایک عضو کم ہو جائے تو اسی حساب سے اس کی عقلی میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ عقل سالم کے لئے سالم بدن کی ضرورت ہے۔ وہ شخص جو اعصابی طور پر کمزور ہو وہ صحیح فکر کرنے سے قاصر ہوتا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد کی صحیح طور پر تربیت کر سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو جسمانی طور پر ضعیف و کمزور ہے نماز تہجد کے لئے آدھی رات کو نہیں اٹھ سکتا ہے۔ کاروبار زندگی بہتر طور پر نہیں کر سکتا ہے۔ جس طرح روح کی حفاظت ضروری ہے اس قدر جسم کی حفاظت بھی لازمی ہے۔ یہ بات اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہوں، بلکہ فقہاء، علماء اخلاق، قرآن اور روایات اہل بیت علیہم السلام میں یہ مسئلہ بلا اشکال موجود ہے۔

پہلی بات جس کی طرف ہمیں متوجہ رہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ دنیا دار ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ دنیا دار ہونا چاہیے۔ وہ چیز جس سے ہمیں بچنا چاہیے وہ یہ ہے کہ دنیا کو دل نہ دے بیٹھیں، کیونکہ سید الی اللہ اور دنیا سے وابستگی کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے۔ قرآن فرماتا ہے: دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کی سید ملکوتی اور بلند پروازی کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ وہی افراد ہیں جو اپنی زندگی چلانے کے لئے دن رات کام کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ کاروبار انہیں یاد خدا سے غافل نہیں کرتا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنی زندگی مال و ثروت سے وابستہ نہیں کر رکھی ہے۔ ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ. (سورہ نور، آیت: ۲۶)

”یہ چراغ ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ان کی

بلندی کا اعتراف کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے۔“

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن فرما رہا ہے کہ بہت سے ایسے انفاس مطہرہ ہیں جو مقام محمود کی منزل پر فائز ہیں اور اپنے مقصود تک رسائی حاصل کر چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن ارشاد فرما رہا ہے:

رِجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (نور، آیت: ۳۷)

”وہ مرد جنہیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کرتے۔“

یہ لوگ کاروبار کرتے ہیں، خرید و فروخت کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں لیکن یہ سب کچھ ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ ہر کام میں ان کے پیش خدا ہوتا ہے وہ ہر کام خدا کے لئے کرتے ہیں۔ نماز کے وقت فریضہ الہی انجام دیتے ہیں۔ خدا سے ڈرتے ہیں:

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ.

”یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گئیں۔“

یہ ایسے لوگ ہیں جو ہمیشہ روز قیامت کی فکر میں رہتے ہیں۔ قبر، عالم برزخ، اور جنت و جہنم کے بارے میں ہمیشہ سوچتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ دنیا ہی ہے جس سے ہماری آخرت آباد ہوتی ہے۔ غرائز و تمایلات کی صحیح سمت ہی ہمیں مقام محمود کی منزل پر پہنچا سکتی ہے۔ لیکن اس بات کی طرف متوجہ رہنا انتہائی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو دنیا، غرائز، تمایلات اور خواہشات نفس کے حوالے نہ کرو۔

اسراف و فضول خرچی

دوسرا اہم ترین مطلب جس کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام میں اسراف و تبذیر یعنی فضول خرچی اور نافرمانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے: دنیا میں

رہتے ہوئے بہتر طریقے سے زندگی گزارو، خدا کی زینتوں، پاکیزہ غذاؤں اور اچھے لباسوں سے استفادہ کرو البتہ اس بات کی طرف متوجہ رہیں کہ عیاشی سے بچیں۔ اگر تم نے عیاشی کا راستہ اختیار کیا تو اپنی ذات کو تباہ اور معاشرے کو برباد کر دو گے۔ سورہ واقعہ میں ارشاد قدرت ہے:

وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشِّمَالِ . (سورہ واقعہ، آیت: ۴۱)

”اور بائیں ہاتھ والے تو ان کا کیا پوچھتا ہے۔“

روز قیامت دائیں طرف کے اصحاب کس قدر منحوس و بخیل ہیں۔ پس وہ انسان جو روز قیامت دائیں طرف والا شمار ہو گا وہ کتنا بد بخت اور منحوس ہے۔ یہ لوگ جہنم میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ مُتْرَفِينَ . (سورہ واقعہ، آیت: ۴۳)

”یہ وہی لوگ ہیں جو پہلے بہت آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔“

وہ لوگ بد بخت اور منحوس ہیں۔ وہ بہت بڑے گناہ میں مبتلا تھے۔ یہ دنیا میں اسراف و تبذیر اور فضول خرچی و عیاشی میں غرق تھے۔ علم اخلاق کے اساتذہ کے بقول یہ لوگ دنیا میں خواہشات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ یہ تو فرد کے بارے میں گفتگو تھی۔ اسی طرح قرآن اجتماع کے بارے میں فرماتا ہے کہ اگر معاشرہ اجتماعی اسراف، تبذیر اور عیاش ہو جائے تو وہ ملت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ وہ معاشرہ راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ عیاش انسان نہ صرف کہ اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے تباہی کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے: اسراف زندگی کے کسی شعبے میں درست نہیں ہے۔ فضول خرچی سے اسلام نے منع کیا ہے۔ اسی طرح آوارہ گردی اور یا وہ گوئی سے بھی روکا ہے۔ اسی طرح زیادہ باتیں کرنے سے بھی منع فرمایا ہے: کیونکہ ہر گوئی اور زیادہ باتیں غیبت، سخن چینی، چغل خوری اور تہمت کا باعث بنتی ہیں۔ اسی طرح زیادہ سونے سے اسلام نے روکا ہے۔

أَبْغَضَ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ النَّوَامَ .

”زیادہ سونے والے پر خدا بہت غضب ناک ہوتا ہے۔“

اسلام نے یہ نہیں کہا ہے کہ آپ بالکل نہ سوائیں بلکہ بقدر ضرورت سونا واجب ہے، البتہ زیادہ خوابی سے منع کیا ہے۔ اسی طرح کم خوابی سے بھی اسلام نے روکا ہے کیونکہ اگر ضرورت کے مطابق استراحت نہ کی جائے تو انسان کا کوئی بھی کام صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتا ہے۔ نہ اپنی معاشی زندگی کو سنوار سکتا ہے اور نہ ہی دینی معاملات کو انجام دے سکتا ہے۔

اسلام میں پرخواری ایک قبیح عمل ہے۔

أَبْغَضَ النَّاسُ عِنْدَ اللَّهِ الْاَكْوَلُ.

”پرخور شخص اللہ کے نزدیک مبغوض ترین لوگوں میں سے ہے۔“

اسلام کی نگاہ میں پرخوری بالکل صحیح نہیں ہے۔ درج ذیل آیت کی طرف نظر کریں تو

مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا.

(سورہ فرقان، آیت: ۶۷)

”اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی سے

کام لیتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان اوسط درجہ کا راستہ اختیار کرتے

ہیں۔“

اگر فرد یا اجتماع اس آیت کریمہ کو اپنی زندگی کا محور بنا لے تو ان بری صفات سے نجات

حاصل کر سکتا ہے۔ پس پرخوری یا کم خوری، پر خوابی یا کم خوابی اور زیادہ بولنا یا کم بولنا اسلام کے

نزدیک درست نہیں ہے۔ یعنی افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہیے اور ان دونوں کا درمیانی

راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ جب ایسا ہوگا تو اسلام معاشرے میں صحیح معنوں میں رائج ہو سکے گا۔

اس بات کی طرف خاص کر متوجہ رہیں کہ کوئی بھی ایسا کام انجام نہ دیں جو گناہ اور غضب خدا کا

سبب بنے، بلکہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن کس طرف رہنمائی کر رہا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ.

(سورہ حجرات، آیت: ۱)

”اے ایمان والو! خبردار خدا اور رسول کے سامنے اپنی بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔“

بلکہ یہ دیکھو کہ خدا اور رسول کیا چاہتے ہیں، اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ اپنی خواہشات نفس کے مطابق زندگی کی گاڑی دھکیلنا شروع کر دیں۔ اسلام کہتا ہے: اسراف، تبذیر اور عیاشی سے بچیں کیونکہ یہ فرد اور اجتماع کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔

راہ حلال سے غرائز کا تغذیہ

تیسرا مطلب جس کی اسلام نے تاکید کی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے غرائز و تمایلات کا تغذیہ حلال طریقہ سے کریں۔ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ حرام سے تغذیہ نہ کریں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يَا بَنِي آدَمُ خُذُوا زِينَتَكُمْ. (سورہ اعراف، آیت: ۳۰)

”اے اولاد آدم! اپنی زینت کرو۔“

یعنی خود صاف ستھرے رہو، لباس صاف ستھرا پہنو، بالوں کو کنگھی کر کے رکھو، اپنی ظاہری شخصیت کو بنا سنوار کر رکھو اور معاشرے میں اپنی شخصیت کی حفاظت کرو۔

حضرت عائشہ کہتی ہے:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی گھر سے باہر جانا چاہتے نکلنے سے پہلے

اپنی عبا، عمامہ، خلاصہ ہر چیز کو بڑی دقت سے دیکھتے تھے بعض دفعہ آپ سے

کہا جاتا تھا کہ یا رسول اللہ! کیا مردوں کو بھی زینت کرنی چاہیے؟ آپ

فرماتے کہ میں نہیں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے لئے سامان غیبت مہیا کروں۔

خدا نہ کرے ایسا ہو کہ ایک شخص اپنے آپ کو حزب اللہی کہے لیکن منہ سے بدبو تو

رہی ہو، پھٹا پرانا گندہ لباس پہنا ہوا ہو، سر کے بال الجھے ہوئے ہوں۔ ایسی حالت بنا کر معاشرے میں آ جائے یہ شخص حزب اللہی نہیں ہے بلکہ اس نے صرف حزب اللہی کا نام سنا ہے، دشمن اسلام ایسی حالت سے استفادہ کرتے ہوئے اسلام کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ لہذا قرآن کریم میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَشَرِبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ. (سورہ اعراف، آیت: ۳۱)

”اے اولاد آدم! ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس زینت ساتھ رکھو اور کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔“

اس سے اگلی آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ.

(اعراف، آیت: ۳۲)

”پیغمبر! آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جسے خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا اور پاکیزہ رزق کو حرام کیا ہے۔“

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(سورہ اعراف، آیت: ۳۲)

”اے رسول! انہیں کہہ دیجئے کہ یہ نعمتیں دنیا میں اہل ایمان کے لئے ہیں اور

آخرت میں ان سے بھی اچھی نعمتیں ان کے لئے ہوں گی۔“

اے رسول! انہیں بتادیں کہ یہ نعمتیں خدا نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں تو کس لئے ان

سے کنارہ کش ہے۔ اس کے بعد ارشاد قدرت ہے:

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ

بَغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا
عَلَى اللّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ. (اعراف، آیت: ۳۳)

”کہہ دیجئے کہ ہمارے پروردگار نے صرف بدکاریوں کو حرام کیا ہے، چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی، اور گناہ اور ناحق ظلم اور بلا دلیل کسی چیز کو خدا کا شریک بنانے اور بلا جانے بوجھے کسی بات کو خدا کی طرف منسوب کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔“

آیت کریمہ کا یہ حصہ ”وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ نو جوانوں کو ہمیشہ حافظے میں محفوظ رکھنا چاہیے اور جو چیزیں خدا نے حرام کی ہیں ان سے بچنا چاہیے۔
حضرت عائشہؓ نے ایک عورت کو افسردہ حالت میں دیکھا تو اس سے پوچھا: کیا تمہارا شوہر نہیں ہے؟ اس نے کہا شوہر ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے اسے کہا: اگر تمہارا شوہر ہے تو پھر اس قدر پریشان کیوں ہو اور اپنے آپ کو زیور و زینت سے کیوں نہیں بنایا سنوارا ہے؟
اس عورت نے کہا: میرا شوہر مجھے چھوڑ کر بیابان کی طرف نکل گیا ہے اور اس نے نذر مان لی ہے کہ آج کے بعد عورت سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ اس کے ایک دوست نے نذر کی کہ وہ لذیذ غذا نہیں کھائے گا، دوسرے دوست نے یہ منت کی ہے کہ معاشرے سے کٹ کر رہے گا۔

حضرت عائشہؓ پیغمبر کی خدمت میں آئی اور پورا واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے جب یہ واقعہ سنا تو جلدی سے مسجد کی طرف چل پڑے کہ ان کی عبا ایک طرف سے زمین پر لگ رہی تھی۔ پورا قصہ پہلے بیان کر چکا ہوں۔

پس عورت کو ہمیشہ صاف ستھرا رہنا چاہیے، البتہ یہ صرف شوہر کے لئے ایسا کر سکتی ہے۔ اگر بناؤ سنگھار کر کے معاشرے میں آئے گی، یا شہوت انگیز لباس پہنتی ہے، جو دوسروں میں ہیجان پیدا کر دے، یہ سب حرام ہے۔ لہذا نامحرم کے لئے بناؤ سنگھار کرنا درست نہیں

ہے۔ اسلام نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ

مَا ظَهَرَ سے مقصود و مراد یہ ہے کہ غریزہ شہوت کی پیاس گناہ، زنا، چشم چرائی لوگوں کا مال کھانے، دھوکہ دہی، گران فروشی اور ذخیرہ اندوزی درست نہیں ہے۔ خواہشات کو اس طرح سے پورا کرنا بدبختی کا سبب بنتا ہے۔ شیطانی راستے پر چل کر غرائز و خواہشات کا تغذیہ کرنے سے اسلام نے سختی سے منع فرمایا ہے:

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَالًا تَعْلَمُونَ.

”اور بلا جانے بوجھے کسی بات کو خدا کی طرف منسوب کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔“

ایسا نہ ہو کہ اپنی فکر و سوچ کو اسلام کا رنگ چڑھا کر معاشرے میں پیش کیا جائے۔ جو بات خدا نے نہیں کہی ہے اس کی نسبت خدا کی طرف دی جائے۔ اس طرح سے اپنے غرائز و تمایلات کی پیاس کو ختم کرے۔ خلاصہ تیسرا مطلب یہ ہے کہ غرائز و خواہشات کا تغذیہ حرام اور ناجائز طریقے سے نہیں کرنا چاہیے۔

آج کی بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ انسان ایسا موجود ہے جس کے دو جنبے ہیں۔ دونوں کے لئے غذائی ضرورت ہے۔ سب سے مہم چیز جس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ صرف دنیا کا ہو کے نہیں رہ جانا چاہیے۔ اسراف، تبذیر، عیاشی اور گناہ سے بچنا چاہیے۔

ایمان عاطفی

پس ہم نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ اپنی زندگی کو مادیات سے وابستہ نہیں کریں گے اور اپنی زندگی میں حتی الامکان گناہوں سے بچیں گے۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مادی جنبہ کو کنٹرول کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ اسے کس

طرح سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور کون اس جینے کو نکیل ڈال سکتا ہے؟ کیا ہمارے اندر اتنی قوت ہے کہ ہم خود اسے مہار کر سکیں؟ کیا عقل، وجدان، اخلاق اور قانون میں اتنی پاور ہے کہ اس جینے کو اپنے قابو میں رکھ سکے؟ کیا خدا پر ایمان لائے بغیر اس اٹکل گھوڑے کو لگام دی جاسکتی ہے؟ عقل انسان، وجدان اخلاقی، تربیت و علم، قانون اور ایمان علمی وغیرہ اس جینے کو تحت تاثیر نہیں لاسکتے ہیں۔ فقط اور فقط ایک قوت و طاقت ہے جو نفس امارہ کو قابو میں لاسکتی ہے اور اسے اس مقام پر پہنچا سکتی ہے جسے عِنْدَ اللہ اور جوار اللہ کہا جاتا ہے۔ وہ قوت جو اس کو مہار کر سکتی ہے وہ ایسا ایمان ہے جو عمل اور آدھی رات کے وقت خدا کے ساتھ راز و نیاز سے حاصل ہوتا ہے۔ اس ایمان کو ایمان عاطفی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ ایمان ہے جسے امام سجاد علیہ السلام نے ابو حمزہ ثمالی کو دعا کی صورت میں تعلیم فرمایا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا تُبَاشِرُ بِہٖ قَلْبِیْ تُبَاشِرُ بِہٖ عَقْلِیْ.

”اے معبود! میں تجھ سے ایسا ایمان و یقین مانگتا ہوں جو میرے دل میں جما رہے۔“

ایمان بعض اوقات تُبَاشِرُ بِہٖ عقلی ہوتا ہے۔ یہ وہ ایمان ہے جسے انسان ملا صدرا کی کتاب اسفار، برہان نظم، برہان حرکت اور برہان صدیقین وغیرہ سے حاصل کرتا ہے۔ قیامت پر ایمان دلیل کے ذریعہ لایا۔ خدا کو برہان و دلیل سے تسلیم کیا۔ لیکن ایمان عاطفی کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ ایمان خدا کے ساتھ رابطہ رکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا سے رابطہ جس قدر زیادہ ہوگا ایمان اس قدر محکم ہوگا اور اسی قدر دل میں راسخ ہوگا۔ قرآن کہتا ہے: اگر ایمان قلبی مرحلہ اول میں ہی کیوں نہ ہو نفس امارہ کو کنٹرول کر لیتا ہے۔ اگر انسان حق الیقین اور علم الیقین کی منزل پر فائز ہو جائے۔ تو وہ بدرجہ اولیٰ نفس امارہ کو تحت تاثیر لاسکتا ہے۔ سورہ تکوین میں ارشاد قدرت ہے:

”خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے پاس کنٹرول کرنے کی قدرت موجود ہے۔“

اے نوجوانو! تم ایسے کام انجام دو جن کے ذریعے تمہارے اندر کنٹرول کی قوت و طاقت آجائے، ورنہ کوئی بھی ایسا قانون و قاعدہ نہیں ہے جو نفس امارہ کو کنٹرول کر سکے۔ انسان تمام قوانین پائمال کر دیتا ہے۔ اگر پوری دنیا متحد ہو کر ایک فاحشہ عورت کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے تو نہیں لاسکتی ہے۔ وہ اپنا کام کسی نہ کسی طرح ضرور انجام دے لے گی۔ حتیٰ کہ دن رات اس کی نگرانی کریں، وہ اپنے کام سے باز نہیں آئے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی قوت ہے جو اسے قابو میں لاسکتی ہے؟

فرماتے ہیں: اس قوت کا نام ایمان عاطفی ہے۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو پھر کوئی چیز بھی اس کے راستے کا روڑا نہیں بن سکتی ہے۔



(باب چہارم)

غرائز انسانی کو کنٹرول کرنے کے آٹھ عوامل

ہماری بحث اس بارے میں تھی کہ قرآن کی نظر میں انسان بے مہار زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ. (سورہ قیامت، آیت: ۵)

انسان ہر دل خواہ کام کو انجام دینا چاہتا ہے کہ وہ چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے کوئی بھی چیز رکاوٹ نہ بنے۔ ظاہری بات ہے ایسی زندگی خود فرد اور معاشرے کے لئے مضر ہے، لہذا ضروری ہے کہ انسان کو کنٹرول کیا جائے لیکن سوال یہ ہے کون سی چیزیں اسے منحرف ہونے سے روک سکتی ہیں؟ اور وہ کون سے عوامل ہیں جو اس کے لئے سد راہ بن سکتے ہیں؟

غرائز کو کنٹرول کرنے کے آٹھ عوامل

اس بحث سے مربوط ہم نے تین مقدمات ذکر کئے ہیں۔ اب یہاں سے اصل مطلب

کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں کہ آٹھ ایسے عوامل ہیں جو غرائز و تمایلات انسانی کو کنٹرول کرتے ہیں۔ انہیں جدا جدا بیان کروں گا۔

(۱) عقل

کہتے ہیں اگر انسان یا معاشرہ عقلی لحاظ سے مضبوط ہو اور عقل کی درست طور پر آبیاری کی گئی ہو تو ایسا شخص حسن و قبح یعنی اچھائی اور برائی کے درمیان تشخیص دے سکتا ہے اور ایسی عقل ہی انسان کو کنٹرول کر سکتی ہے۔

(۲) علم

افلاطون مدینہ فاضلہ میں لکھتے ہیں: اگر انسان صفات رذیلہ و صفات حسنہ سے آگاہ ہو جائے اور اگر صفات رذیلہ کے مضرات اور صفات حسنہ کی خوبیوں کو سمجھ لے تو یہی علم اسے کنٹرول کر سکتا ہے۔

(۳) وجدان اخلاقی

کنٹرول کرنے والا تیسرا علم وجدان اخلاقی ہے۔ قرآن مجید پ اسے نفس لوامہ سے تعبیر کیا ہے۔ علمائے علم اخلاق اور ماہرین روانشناسی کے نزدیک اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ قرآن بھی حد درجہ اس کی قدر و قیمت کا قائل ہوا ہے۔ قرآن کہتا ہے: اگر وجدان اخلاقی انسان کے اندر بیدار ہو تو انسان کو انحرافات سے روک سکتا ہے۔ مذکورہ تینوں قوتیں ایسی ہیں جن کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ اب یہاں سے ان قوتوں کا ذکر کریں گے جو انسان کے ظاہر سے مربوط ہیں۔

(۴) تربیت

اگر کسی شخص کی تربیت صحیح طور پر کی گئی ہو تو وہ اپنی ذات اور معاشرے کو کنٹرول کر سکتا

(۵) قانون

غرائز و تمایلات کو کنٹرول کرنے والا پانچواں عامل قانون ہے۔ قانون ہی ایسا عامل ہے جس کی بنیاد پر کل یا آج کا انسان زندگی گزارتا ہے۔ لکھتے ہیں: قانون ہی ایسا عامل ہے جو انسان کو برے افعال سے روک سکتا ہے۔ اور اسی پر عمل کرنے کی وجہ سے صحیح و سالم معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے۔

(۶) نظارت ملی

ایمان کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایمان کی ایک قسم عقل سے مربوط ہے جو دلیل و برہان کی وجہ سے میسر آتی ہے۔ ایمان کی اس قسم کو فلسفہ میں علم کہا جاتا ہے۔ مثلاً خدا کے وجود کا علم، قیامت، امانت اور نبوت کا علم۔ یہ علم برہان کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً ملا صدرا کی برہان صدیقین و وجود خدا کو ثابت کرتی ہے۔ اس کی برہان نظم جس کا ماخذ قرآن ہے، اس سے بھی وجود خدا کا اثبات ہوتا ہے یا اس کی برہان حرکت معاد جسمانی کو ثابت کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر انسان کے اندر ایمان علمی آ جائے تو یہ بے راہ روی سے انسان کو روکتا ہے۔

(۷، ۸) ایمان عاطفی

غرائز و تمایلات کو کنٹرول کرنے کا آٹھواں عامل ایمان عاطفی و قلبی ہے۔ اس ایمان کو فلسفہ کی رو سے معرفت کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے وہ ایمان جو عقل سے تعلق رکھتا ہے وہ انسان کو کنٹرول نہیں کر سکتا ہے، بلکہ وہ ایمان انسان کو راہ راست پر باقی رکھ سکتا ہے۔ جس کا تعلق قلب و روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ عقلی طور پر خدا کے موجود ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ علم و یقین انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے؟ غرائز و تمایلات کے لئے سدرہ بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یقین قلبی اور یقین عقلی کے درمیان فرق ہے۔ امام سجاد علیہ

السلام دعا ابو حمزہ ثمالی میں یقین قلبی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا تَبَاشِرُ بِہٖ قَلْبِیْ .

”اے معبود! میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو تیرے دل میں جما

رہے۔“

پس وہ قوت و طاقت جو انسان کو کنٹرول کر سکتی ہے وہ صرف آٹھواں عامل ایمان قلبی و عاطفی ہے۔ یہ ایمان برہان و دلیل سے حاصل نہیں ہوتا ہے، بلکہ عملاً ترک گناہ اور ریاضت وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے۔ گناہ سے اجتناب شجر ایمان کی جڑیں مضبوط کرتا ہے۔ نماز شب، نماز پنجگانہ اول وقت پڑھنا، مستحبات کو اہمیت دینا اور دوسروں کی خدمت کرنا ایمان قلبی کے لئے ریاضتیں ہیں۔ ایمان کی یہ قسم شجر ایمان کی آبیاری کرتی ہے اور اس کی جڑیں دل میں محکم کرتی ہیں۔

ہمارا اس بات پر یقین محکم ہے کہ صرف آٹھواں عامل ہی انسانی غرائز و تمایلات کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ اس میدان میں وجدان اخلاقی، علم اور عقل کی نہیں کوئی ہیں چلتی ہے۔ اسی طرح قانون بھی سدرہ نہیں ہو سکتا ہے اگر انسان کے اندر حب جاہ و ریاست کے غریزہ طوفانی صورت اختیار کر جائے تو اس ایمان کا عقلی اسے مشکل سے نجات نہیں دلا سکتا ہے، بلکہ وہ اپنے ہدف و مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اسفار ملا صدرا تو کچھ بھی نہیں ہے، قرآن کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا ہے۔

عبدالملک بن مروان کے بارے میں ملتا ہے، اسے مسجد کا کبوتر کہا جاتا تھا۔ جب اسے یہ اطلاع دی گئی کہ تم مسلمانوں کے رئیس و خلیفہ منتخب ہو گئے ہو تو اس وقت وہ مسجد میں تلاوت قرآن میں مشغول تھا، یہ خبر سنتے ہی اس نے قرآن زمین پر دے مارا اور کہا: اب تک تو میرے ساتھ تھا لیکن آج کے بعد تیرے ساتھ میرا کوئی رابطہ نہیں ہوگا۔

پس وہ چیز جو غرائز و تمایلات بشر کو قابو میں لا سکتی ہے وہ صرف اور صرف ایمان قلبی و

عاطفی ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان قلبی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر غرائز و خواہشات کے جتنے بھی طوفان چلیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر برف پڑتی ہے یا طوفانی ہوائیں چلتی ہیں تو اپنا سر پنچ کے رہ جاتی ہیں، لیکن پہاڑ کو اپنی جگہ سے انگلی برابر حرکت نہیں دے سکتی ہیں۔

الْمُؤْمِنُ كَالْجَبَلِ الرَّاسِخِ.

”شخص مومن پہاڑ کی مانند محکم و مضبوط ہوتا ہے۔“

پس غریزہ جنسی، مال و اولاد کی محبت، ریاست طلبی، شہرت کی خواہش اور شخصیت پسندی کے جتنے بھی شدید طوفان چلیں یہ سر بلند و محکم پہاڑ بھی ایمان مومن پر ذرا بھی اثر انداز نہیں ہو سکتے ہیں۔

اب ہم ان عوامل ہشتگانہ کے بارے میں سیر حاصل تفصیلی گفتگو کریں گے۔ ان میں سے سب سے پہلے عقل ہے۔ لہذا ہم عقل کے بارے میں اپنی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

تعریف عقل

عقل کیا ہے؟ اس کی حقیقت کو آج تک کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ اسلام اور قرآن کی نظر میں یہ ایک بیش قیمت گوہر ہے، لہذا قرآن فرماتا ہے کہ اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ عقل کا پھل اور ثمر فکر ہے، لہذا اسی وجہ سے متفکر شخص کو عاقل کہا جاتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

عاقل اور احمق کے درمیان فرق یہ ہے کہ عاقل شخص پہلے غور و فکر کرتا ہے پھر بولتا یا کوئی کام کرتا ہے، جب کہ احمق بے سوچے سمجھے بات کرتا ہے یا کوئی کام سرانجام دیتا ہے۔ پہلے کام کرتا ہے اس کے بعد پشیمان ہو جاتا ہے کہ یہ کام نہ کیا ہوتا تو بہتر تھا۔

اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ عقل کیا ہے؟ میں جواب دوں گا کہ اس کے آثار تو بیان کر سکتا ہوں، لیکن اس کی تعریف ممکن نہیں ہے۔ اس کے آثار یہ ہیں: عقلمندی کا ثمرہ اچھا ہوتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ.

”تحقیق اس میں عقل رکھنے والی قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔“

قرآن مجید میں اس آیت اور اسی مفہوم کی دیگر آیات کا بہت زیادہ تکرار کیا گیا ہے، اور عقل کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے عقل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

الْعَقْلُ مَا عُبِدَ بِهِ الرَّحْمَنُ اِكْتَسَبَ بِهِ الْجَنَانُ.

”عقل وہ ہے جس کے ذریعے ذات پروردگار کی عبادت کر کے بہشت حاصل کی جائے۔“

قرآن کی نگاہ میں عقل یہ ہے کہ دوزخی جب جہنم میں جائیں گے تو کہیں گے کہ ہم عقلمند نہیں تھے اگر صاحب عقل ہوتے تو جہنم میں نہ آتے۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ.

(سورہ ملک، آیت: ۱۰)

”اگر ہم بات سن لیتے اور سمجھتے ہوتے تو آج جہنم میں نہ ہوتے۔“

یعنی دوزخی حسرت بھری آواز سے کہیں گے: اگر ہم دنیا میں انبیاء کی باتیں سنتے یا

عقل کے مطابق چلتے تو آج ہم دوزخ میں نہ ڈالے جاتے۔

اس آیت کریمہ میں بھی عقل کی تعریف اس کے اثرات اور فوائد بیان کئے ہیں۔ یعنی

عقل یہ ہے کہ جس کے ذریعے انسان اس دنیا سے صحیح و سالم چلا جائے۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ

شخص جو صحیح و سالم اور دین کے ہمراہ منزل آخرت کا سفر کرتا ہے اور اس دنیا میں قبر، قیامت،

جنت اور جہنم کی فکر میں رہتا ہے۔ قرآن کی نظر میں وہ شخص صاحب عقل ہے جو اچھائی اور برائی کے درمیان تمیز دے سکے۔ اچھائی کو اپنائے اور بدی کو ترک کر دے۔ ارشاد قدرت ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ.

(سورہ زمر، آیت: ۱۸)

”بشارت دے دیجئے جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہو، اس کا اتباع کرتے ہیں۔“

قرآن کہتا ہے: ایسے عقل مند افراد کے سروں پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور ایسے افراد کو سعادت و خوش بختی کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسول کی باتوں کو سنتے ہیں، اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ اچھائیوں کو اپنالیتے ہیں جب کہ برائیوں سے دور بھاگتے ہیں۔

تقلید کی اقسام

عقل اور دیوانے کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

دیوانہ وہ شخص ہے جو دوسروں کی تقلید کرے۔ تقلید کی دو قسمیں ہیں، ایک تقلید ہوتی ہے جس کا حکم عقل و فطرت کرتی ہے۔ مثلاً جاہل کا عالم کی تقلید کرنا یہ فطری امر ہے۔ مثلاً آپ ایک گھر خریدنا چاہتے ہیں جس کی قیمت آپ کو معلوم نہیں ہے، اس وقت عقل لا شعوری طور پر آپ کو معمار کی خدمت میں لے جائے گی یا مثلاً آپ کی بجلی خراب ہو گئی ہے تو آپ اس وقت الیکٹریشن کے پاس جائیں گے یا آپ کو کوئی فقہی مسئلہ درپیش ہے جس کا آپ کو علم نہیں ہے تو لا محالہ آپ مجتہد یا اس کے رسالہ عملیہ یعنی توضیح المسائل کی طرف رجوع کریں گے تاکہ مسئلہ سے آگاہ ہو سکیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور مسلم ہے اسی لئے تو فقہاء اسلام فرماتے ہیں: فروعات میں تقلید پر محکم ترین دلیل فطرت ہے۔

تقلید کی دوسری قسم اجتماعی اداب و رسوم میں تقلید کرنا ہے۔ عقل و فکر کی روشنی میں تقلید کی یہ قسم درست نہیں ہے۔ قرآن کی زبان میں اسے دیوانگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اصول دین کے بارے میں انسان اگر تھوڑا سا تفکر کرے تو اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ خدا موجود ہے۔ قرآن مجیزہ ہے، قیامت کا برپا ہونا لازمی ہے۔ اصول دین میں تقلید قرآن کی نگاہ میں درست نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے دیگر امور میں جن کی تقلید سے خدا نے منع فرمایا ہے۔ سورہ زخرف میں ارشادِ قدر ہو رہا ہے:

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ.

(سورہ زخرف، آیت: ۲۳)

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا پر ایمان لے آؤ تو کہتے تھے چونکہ ہمارے آباؤ اجداد بت پرست تھے لہذا ہم بھی انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے۔“
پس وہ امور جن میں عقل و فکر کی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ عقل کے دروازے بند کر کے دوسروں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑے یہ تقلید انتہائی مضر ہے۔ اسلام نے ایسی تقلید سے سختی سے روکا ہے۔

مولوی نے مثنوی میں ان لوگوں کے بارے میں ایک انتہائی دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو مکمل طور پر دوسروں کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ایک درویش گدھے پر سوار ایک خانقاہ پر پہنچا۔ گدھا خانقاہ کے خادم کے حوالے کیا اور ایک طرف جا کر بیٹھ گیا۔ اس خانقاہ پر موجود افراد کے لئے رات کے کھانے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے کہا: آج اس کا گدھا فروخت کر کے رات کے کھانے کا بندوبست کرتے ہیں۔

انہوں نے اس درویش کا گدھا بیچ کر رات کا کھانا مہیا کیا۔ کھانا کھانے کے بعد انہوں نے حال کھیلنا شروع کر دیا۔ جب جوش میں آئے تو ان کی زبان پر ورد تھا: خر برفت و خر برفت و خر برفت گدھا چلا گیا، گدھا چلا گیا۔ یعنی اس درویش کا گدھا بیچ کر رات کا کھانا کھایا ہے۔

لیکن یہ بے چارہ درویش نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں لہذا وہ بھی انہیں کے

ساتھ اسی بات کا تکرار کرتا رہا۔ خربرفت و خربرفت و خربرفت۔ جب حال کھیلنے سے فارغ ہو کر یہ درویش خانقاہ کے خادم کے پاس آیا اور اس سے کہا: مجھے میرا گدھا واپس کرو۔ خادم نے کہا: تمہارا گدھا بیچ کر رات کا کھانا مہیا کیا تھا جو ہم نے کھایا ہے۔ درویش نے چونک کر کہا: یعنی چہ؟

اس خادم نے کہا: چونکہ خانقاہ میں رہنے والے لوگوں کے پاس شام کو کھانے کے لئے کچھ بھی نہ تھا لہذا انہوں نے تیرا گدھا فروخت کر کے شام کا کھانا مہیا کیا ہے جو ہم نے مل کر کھایا ہے۔

اس درویش نے کہا: تو نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟
خادم نے کہا: میں آیا تھا کہ آپ کو بتاؤں کہ تمہارا گدھا فروخت کیا گیا ہے لیکن وہاں پر میں نے دیکھا کہ تم سب سے زیادہ حال کھیل رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے: خربرفت و خربرفت و خربرفت۔

اس داستان کو بیان کرنے کے بعد مولوی ایک شعر لکھتا ہے ۔

خلق را تقلید شان برباد داد

ای دو صد لعنت براین تقلید باد

لوگوں کو اندھی تقلید نے تباہ و برباد کر دیا ہے، ایسی تقلید پر دو سو لعنت ہو۔“

پس ایسی تقلید جو لوگ عام طور پر کرتے ہیں یہ معاشرے کے لئے انتہائی مضر ہے۔ قرآن مجید نے ایسی تقلید کو دیوانگی کہا ہے۔

اس تقلید سے بدتر وہ متابقت و پیروی ہے جو بغیر دلیل کے کی جائے یعنی اگر پوچھا جائے کہ فلاں کام میں پیروی کس دلیل کی بناء پر کر رہے ہو، لیکن اسے معلوم نہ ہو۔ یعنی اس کا ارادہ اس کے اعمال میں کسی قسم کی دخالت نہ رکھتا ہو۔ قرآن مجید نے ایسے افراد کو گوسفند سے تعبیر کیا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً
وَنِدَاءً. (سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۱)

”جو لوگ کافر ہو گئے ہیں، ان کے پکارنے والے کی مثال اس شخص کی ہے جو
جانوروں کو آواز دے اور جانور آواز اور پکار کے علاوہ کچھ نہ سنیں اور نہ
سمجھیں۔“

اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:

صُمُّ بُكْمٌ عُمْى فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ. (سورہ بقرہ، آیت: ۱۷۱)
”یہ کفار گونگے، بہرے اور اندھے ہیں، پس انہیں عقل سے کوئی سروکار نہیں
ہے۔“

ماہرین نفسیات کہتے ہیں:

آپ بھیڑوں کے ایک گلے کا تصور کریں جو ایک سڑک پر چل رہا ہے۔ ان کے
راستے میں سڑک کے درمیان کوئی شہتیر وغیرہ رکھ دیں، جب پہلی بھیڑ وہاں پہنچے گی تو اس سے
چھلانگ لگا کر گزرے گی، اب آپ اس شہتیر کو اٹھالیں تو بعد میں آنے والی تمام بھیڑیں بھی
اس جگہ سے چھلانگ لگا کر گزریں گئیں حالانکہ پہلے والی بھیڑیں تو اس وجہ سے چھلانگ لگا کر
وہاں سے گزریں تھیں چونکہ یہ شہتیر ان کے لئے مانع تھا، جب کہ بعد میں آنے والی بھیڑوں
کے لئے تو کوئی چیز مانع نہ تھی۔ قرآن شریف اس عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے انسان! عقل سے کام، لو اندھی تقلید نہ کرو، جب کہ جامع الشرائط مجتہد

کی تقلید فروعات میں کرنی لازمی ہے۔“

پس اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ بتاؤ عقل کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اس کا نتیجہ غور و فکر اور

عذا علم و آگاہی ہے۔ اس کا کام بہشت کو پالینا اور عبادت پروردگار ہے۔

فضیلت عقل

قرآن شریف اور روایات اہل بیت علیہم السلام میں عقل کے بارے میں کافی گفتگو کی گئی ہے۔ ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ.

”پس بشارت دیجئے جو باتوں کو سنتے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کی اتباع کرتے ہیں۔“

اس کے بعد فرمان خدا ہو رہا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْأُولَاءُ.

(سورہ زمر، آیت: ۱۸)

”یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو صاحبان عقل ہیں۔“

خدا کا دست عنایت انہی لوگوں کے سر پر ہے اور انہی لوگوں پر خدا کا خاص لطف و کرم ہے۔ تقریباً پچاس سے زیادہ مقامات میں اسی مفہوم کی آیات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

كَذَٰلِكَ نَفْصَلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ. (سورہ روم، آیت: ۲۸)

”بے شک ہم اپنی نشانیوں کو صاحب عقل قوم کے لئے اس طرح واضح کر کے بیان کرتے ہیں۔“

ان آیات سے اس بات کا استفادہ ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے اہداف میں سے ایک

ہدف عقل و عاقل کو اہمیت دینا اور اس کا احترام کرنا ہے۔

مرحوم کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے اصول کافی کی ابتداء میں تقریباً تیس روایات عقل کی

فضیلت کے بارے میں بیان فرمائی ہیں۔ سب سے پہلی روایت یہ ہے: پروردگار عالم نے

جب عقل کو خلق فرمایا تو اس کے ساتھ گفتگو فرمائی:

فَقَالَ أَقْبِلْ فَأَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ أَذْبِرْ فَأَذْبَرَ.

”فرمایا چلی جا، پس وہ چلی گئی، پھر فرمایا: آ جا، پس وہ آ گئی۔“

اس کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوتا ہے کہ مجھے میری عزت و جلالت کی قسم! میں نے کوئی چیز بھی آپ سے زیادہ شریف تر خلق نہیں فرمائی ہے۔ جسے میں سب سے زیادہ چاہتا ہوں اسے عقل عطا کرتا ہوں اور اس کی عقل کو کامل کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: تیسری وجہ سے ثواب و عقاب ہو گا یہ سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے۔

امام ہفتم موسیٰ بن جعفر علیہما السلام اپنے صحابی ہشام بن حکم سے مفصل روایت بیان کرتے ہیں۔ اسی روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ عَلَى النَّاسِ حُجَّتَيْنِ حُجَّةٌ ظَاهِرَةٌ فَهُوَ الْأَنْبِيَاءُ وَحُجَّةٌ بَاطِنَةٌ فَهُوَ الْعَقْلُ.

”تحقیق اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر دو حجّتیں قرار دی ہیں: ایک حجت ظاہری یعنی انبیاء ہیں اور دوسری حجت باطنی جو عقل ہے۔“

عقل کی فضیلت کے لئے کوئی اور روایت نہ بھی ہو تو صرف یہی روایت کافی ہے، لہذا شب و روز اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ مال و متاع اور شہرت و ریاست عقل کے مقابلے میں ذرا سی بھی ارزش و قیمت نہیں رکھتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اس قوم پر بہت افسوس ہے جو تکمیل عقل کی کوشش نہیں کرتی ہے۔ علم، عقل کی آبیاری کرتا ہے۔ علمی پروگراموں میں شرکت نشاط عقل کا سبب بنتی ہے، جب کہ دنیا میں غرق ہونا عقل میں کمی کا باعث بنتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں: عقل وہ ہے جس کے ذریعے عمل

کو تولا جاسکتا ہو والا کم عقل انسان جتنے بھی کام انجام دے گا ان کی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔

اس کے بعد امام علیہ السلام کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک عابد شخص کسی جزیرہ میں ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ ایک فرشتے کا وہاں سے گذر ہوا کیا دیکھتا ہے کہ وہ شخص عبادت میں انتہائی سرگرم ہے جب اس کے ثواب پر نظر ڈالی وہ بہت کم تھے۔ فرشتے کو بڑا تعجب ہوا کہ عبادت اس قدر زیادہ جب کہ ثواب اتنا کم، آخر کار ایسا کیوں؟

اس فرشتے کو حکم ہوا کہ اس عابد کے پاس جا کر تھوڑی بات چیت کرو یہ فرشتہ اس کے پاس گیارہ رات اس کے ساتھ گزارا۔ اس شخص نے اپنا بیشتر وقت عبادت میں گزارا۔ فرشتے نے اس سے کہا: تم بہت زیادہ عبادت گزار ہو عبادت کے لئے تم نے بہت اچھی جگہ کا انتخاب کیا ہے۔

اس عابد نے کہا: یہ جگہ تو بہت اچھی ہے لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ اگر خدا کا کوئی گدھا ہوتا اور میں اسے یہاں پر چراتا تو کتنا اچھا تھا۔

کیا عقل غرائز کو کنٹرول کر سکتی ہے؟

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر انسان عالم و متفکر نہ ہو تو اپنے ہی خول میں بند ہو کے رہ جاتا ہے اور مال، شہرت اور مرفہ الحال زندگی گزارنے کی فکر میں رہتا ہے۔ ایسا شخص آہستہ آہستہ عقل سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور عمر کے آخری حصے میں اس مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے اپنے آپ کی کوئی خبر نہیں ہوتی ہے۔

ایک شخص نے بتایا کہ ایک زمانہ میں شہر اصفہان میں قحط آیا تھا۔ روٹیاں پکانے والے کچھ لوگ ایک ثروت مند آدمی کے پاس گئے جس کے پاس گندم کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

اس سے پوچھا: کیا گندم فروخت کریں گے؟

اس نے کہا: ایک من گندم کتنے میں خریدو گے؟

انہوں نے کہا: مثلاً ۱۰ پیسے میں۔

اس سے کہا گیا: کچھ زیادہ کریں۔

انہوں نے کہا: ۱۲ پیسے۔

مالک نے کہا: کچھ اور قیمت بڑھاؤ؟

۱۲ پیسے سے پندرہ پیسے تک کہہ دیا۔

اس نے کہا: قیمت میں اضافہ کریں؟

انہوں نے قیمت بڑھا کر ۳ روپے کر دی۔

اس نے کہا: قیمت بڑھاؤ۔

آخر کار شخص نے گندم روٹیاں پکانے والوں کو نہ دی۔

کچھ مدت گزرنے کے بعد بفضل خدا قحط سالی ختم ہو گئی۔ چیزیں معمول کے مطابق

بازار میں ملنے لگیں۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس ثروت مند شخص کی ٹانگ میں درد شروع ہو

گیا۔ ملک کے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے علاج کیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر کار دوسرے

ملک سے ڈاکٹر بلوایا گیا۔ معائنہ کرنے کے بعد اس ڈاکٹر نے کہا:

اس کا علاج صرف یہی ہے کہ اس کی ٹانگ کاٹ دی جائے۔ یہ سن کر خوف کے

مارے وہ کانپنے لگا اور اپنے پاؤں کی انگلیوں پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے:

کیا یہاں سے قطع کرو گے؟

ڈاکٹر نے کہا: تھوڑی اوپر سے کاٹی جائے گی۔

تھوڑا ہاتھ اوپر کر کے کہتا ہے: یہاں سے۔

ڈاکٹر نے کہا: نہیں۔

تھوڑا اوپر جائیں۔ ایسا کرتے کرتے ران تک پہنچ گیا۔

ڈاکٹر نے کہا: ہاں یہاں سے کاٹی جائے گی۔

اگلے دن آپریشن کر کے اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی، لیکن پھر بھی کوئی آرام نہیں آیا، اور

اسی درد سے کراہتے کراہتے اس دنیا سے چل بسا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ شخص بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دھوکہ بازی اور گرافروشی سے باز نہیں آتا ہے۔ اگر انسان عقل سے کام لے تو کبھی بھی ایسا نہیں کرے گا۔ اپنے لئے جہنم میں جانے کے اسباب پیدا نہیں کرے گا۔ اس مجلس میں حاضرین خصوصاً بوڑھے افراد سے گذارش کروں گا کہ قبل اس کے کہ جہنم میں جانے کے بعد کہو:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ.

”اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو جہنم میں نہ جاتے۔“

سوتے وقت قبر کو یاد کریں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يُحَاسِبْ نَفْسَهُ.

”وہ شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے جو دن میں اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا ہے۔“

اے تاجر! اے دکان دار! جس طرح تم نے اپنے حساب کتاب کے رجسٹر بنائے ہوئے ہیں، اسی طرح اپنے کردار و گفتار کے بارے میں بھی رجسٹر بنائیں اور حساب کریں۔ صبح سے شام تک کتنے گناہ کئے ہیں۔ آیا آج بہشتی بنے یا جہنمی؟

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عقل اتنی شرافت و فضیلت کے باوجود غرائز و تمایلات نفس کو کنٹرول کر سکتی ہے؟ ہاں عادی و معمولی حالات میں کر سکتی ہے۔ ہاں اگر غریزہ طوفانی شکل اختیار نہ کرے تو عقل اسے مہار کر سکتی ہے اور اگر غریزہ طوفان کی صورت اختیار کر جائے تو عقل گوشہ نشینی اختیار کر لیتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں:

لَقَدْ هَمَمْتُ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَيْتُهَا نَ رَبِّهِ. (سورہ یوسف: آیت: ۲۴)

”اور یقیناً اس عورت نے ان سے برائی کا ارادہ کیا اور وہ بھی ارادہ کر بیٹھے

اگر اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھ لیتے۔“

كَذٰلِكَ لِنُصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ بِاَنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُخْلِصِيْنَ

”یہ تو ہم نے اس طرح کا انتظام کیا کہ ان سے بدکاری اور برائی کا رخ موڑ
دیں کہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔“

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کہہ رہے ہیں: اگر مجھے عصمت نہ ملی ہوتی اگر اپنے
پروردگار کی دلیل نہ دیکھ لی ہوتی تو میں بھی زلیخا کی طرف مائل ہو جاتا۔ بُرْهَانَ رَبِّہِ ایمان کا
آخری درجہ و مرتبہ ہے۔ ایمان قلبی کے مدارج و مراتب ہیں۔ اس کے بارے میں آئندہ گفتگو
کریں گے۔ ایمان کے سب سے پہلے درجے کو علم الیقین اور آخری درجے کو حق الیقین کہا
جاتا ہے۔

خدا نہ کرے کہ انسان مال و ثروت کا پرستار ہو جائے۔ اپنی زندگی کا ہدف و مقصد
دولت کو اکٹھا کرنا بنالے۔ اگر انسان ایسا ہو جائے تو پھر عقل اس مقام پر نفس کو قابو کرنے سے
قاصر ہے۔ صرف اور صرف ایمان قلبی ہی ایسی حالت میں انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے۔



باب پنجم

اسلام میں علم کی اہمیت

ہماری بحث اس بارے میں تھی کہ انسان چاہتا ہے کہ دل خواہ زندگی گزارے، کوئی چیز اس کے لئے سدا رہ نہ بنے، جب کہ ایسا درست نہیں ہے بلکہ اس کے غرائز و تمایلات کنٹرول ہونے ضروری ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کون سی چیز انہیں مہار کر سکتی ہے؟ آٹھ عوامل ذکر کئے ہیں جن میں پہلا عامل عقل ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے کہ عقل ایک شریف وجود ہے جس کی وجہ سے انسان کو دوسرے حیوانات سے امتیاز حاصل ہے۔

یہ عقل عام حالات میں تو غرائز کو کنٹرول کر سکتی ہے لیکن اگر یہ غرائز و تمایلات طوفانی صورت اختیار کر لیں تو پھر اس کی آواز صدا بھرا ثابت ہوگی۔ عقل غرائز کے سامنے مٹی کا ایک بند ہے جو پانی کو روکنے کے لئے باندھا گیا ہے۔ اگر پانی سیلاب کی صورت اختیار نہ کرے تو یہ بند کافی ہے اور اس سے پانی کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے لیکن اگر طوفانی و سیلابی صورت اختیار کر لے تو پھر یہ مٹی کے بند کو بہا کر لے جائے گا۔

پس غرائز پانی کی مانند ہے اگر غرائز معمولی حالت میں ہوں تو عقل اسے کنٹرول کر سکتی ہے اگر یہی غرائز طوفانی صورت اختیار کر جائے تو پھر اسے قابو میں لانا عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ عقل اسے مہار نہیں کر سکتی ہے، بلکہ اسی نکیل ڈالنے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت ہوگی جو ایمان قلبی ہے۔

یہ خدا، رسول، مبداء و معادیر یقین اور احکام شرعیہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور خمس وغیرہ

پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ غرائز و تمایلات جتنے بھی طوفانی و طغیانی صورت اختیار کر جائیں تقویٰ و پرہیزگاری کا بند انہیں کنٹرول کر سکتا ہے بلکہ اگر یہ کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ ایمان قلبی غرائز و تمایلات کو طوفانی صورت اختیار کرنے ہی نہیں دیتا۔ ایمان قلبی ہی غرائز و تمایلات کے اٹل گھوڑے کو لگام دے سکتا ہے اور رام کر سکتا ہے۔

اہمیت علم

ہماری آج کی گفتگو علم کے بارے میں ہے۔ افلاطون اور اس کے شاگرد کہتے ہیں: اگر فرد یا اجتماع علمی اعتبار سے مضبوط ہو تو یہ علم غرائز کے سامنے ایک محکم سیسہ پلائی دیوار بن سکتا ہے اور انسان کے تمایلات و غرائز کو کنٹرول کر سکتا ہے، لہذا افلاطون مدینہ فاضلہ میں لکھتا ہے: اگر تم نے فرد یا اجتماع کو عالم بنادیا تو گویا تم نے انہیں اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے۔ یعنی انسان کو اگر مفاسد و مصالح یا اخلاق رذیلہ و فضائل انسانی کا علم ہو جائے تو اس معاشرے کا کنٹرول یقینی ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ افلاطون کی یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

اسلام میں علم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام کا بنیادی پروگرام تعلیم و تعلم ہے۔ قرآن کی رو سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ۲۳ سالہ زندگی کا پروگرام تعلیم و تعلم ہے۔ شہید ثانی علیہ الرحمہ سورہ علق کے بارے میں فرماتے ہیں:

مجیدہ نے پیغمبر کی ۲۳ سالہ زندگی کا پروگرام معین فرمادیا ہے اور اس سورت میں قرأت قلم، تعلیم، تعلم، معلم، اور متعلم کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ وَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ.

”پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور

انسان کو سب کچھ بتا دیا ہے۔“

اسی طرح سورہ جمعہ میں ارشاد ہو رہا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (سورہ جمعہ، آیت: ۲)

”اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔“

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معجزہ لے کر آئے۔ ان کے آنے کا ہدف تعلیم و تعلم اور معاشرے کی صحیح تربیت ہے۔ روایات میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِلتَّعْلِيمِ.

”مجھے لوگوں کی تربیت اور تعلیم کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔“

ایک اور حدیث میں فرمایا ہے:

بُعِثْتُ لِاتِمِّمْ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ.

”مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔“

”شہید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

پیغمبر اکرمؐ وارد مسجد ہوئے، وہاں پر کچھ لوگ بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ وہاں سے آگے گذر گئے، وہاں پر کچھ دعا پڑھنے میں مشغول تھے۔ ادھر سے بھی آگے گذر گئے ان کے قریب ہی کچھ ذکر میں مصروف تھے۔ ان سے آگے چلے گئے۔ پھر ایک ایسے مقام پر پہنچے یہاں پر اہل علم کی محفل لگی ہوئی تھی، وہاں پر آپ بیٹھ گئے اور تین مرتبہ تکرار کیا کہ بُعِثْتُ لِلتَّعْلِيمِ۔ میں تعلیم و تعلم کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کا شیعوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب بحار الانوار کی ایک مکمل جلد میں تعلیم و تعلم کے بارے میں اہل بیت علیہم السلام سے مروی روایات کو اکٹھا کیا ہے۔ مرحوم کلینیؒ نے بھی اپنی کتاب اصول کافی میں بھی سب سے پہلی روایت عقل

کے بارے میں نقل فرمائی ہے، اور کہتے ہیں: یہ ایسی روایت ہے جسے شیعہ اور سنی دونوں نے رسول اکرمؐ سے نقل فرمایا ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ.

”حصول علم ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔“

فرماتے ہیں: خداوند علیم مدارس دیدیہ اور علمی محافل و مجالس کو بہت پسند فرماتا ہے۔ بہت سی روایات میں آیا ہے کہ ایسی محافل و مجالس میں خدا کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بال و پر نیچے بچھاتے ہیں جس پر معلم و متعلم بیٹھتے ہیں۔ جب یہ فرشتے آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں تو اپنے آپ پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے بال و پر معلم و متعلم کے لئے فرش قرار پائے ہیں۔ اس کے برعکس تعلیم و تعلم کے بارے میں مسامحہ کرنے والے افراد کی روایات میں سخت مذمت کی گئی ہے۔

مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ فِي الدِّينِ فَهُوَ أَعْرَابِيٌّ.

”جو شخص دین میں غور و فکر نہیں کرتا ہے وہ اعرابی یعنی بدو اور جاہل ہے۔“

یہ خطرے کی گھنٹی ہے۔ اعرابیوں کے بقول یہ کوئی عام جملہ نہیں ہے۔ جو شخص تعلیم و تعلم کے درپے نہیں ہوتا وہ جاہل ہے۔ مسلمان نہیں ہے اگرچہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں لیکن درحقیقت اس کا شمار زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں سے ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جو لوگ تعلیم و تعلم کو اہمیت نہیں دیتے ہیں فَهُوَ أَعْرَابِيٌّ وہ اعرابی ہیں اس کے بعد فرمایا ہے:

لَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

یہ جملہ پہلے جملے سے مہم تر ہے۔ ”یعنی روز قیامت خداوند قدوس اس شخص کی طرف بالکل نظر نہیں فرمائے گا۔“ افسوس ہے اس شخص کی حالت پر جس پر خدا دنیا میں یا روز آخرت اپنی نظر لطف و کرم نہ فرمائے۔ پیغمبر اکرمؐ اکثر اوقات یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ أَبَدًا.

”اے میرے معبود! مجھے ایک لمحہ کے لئے میرے نفس کے حوالے نہ کر۔“

وہ شخص جو جاہل ہے، اپنے کاروبار زندگی میں کسی چیز کا لحاظ نہیں رکھتا، واجبات کی پروازہ نہیں کرتا ہے، خدا اس پر لطف و رحمت کی نگاہ نہیں کرے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس مسلمان پر انتہائی افسوس ہے جو ہفتے میں کم از کم جمعہ کا دن تعلیم و تعلم اور دینی مسائل کو یاد کرنے میں نہ گزارے۔

الْكَمَالُ كُلُّ الْكَمَالِ النِّفَقَةُ فِي الدِّينِ وَالصَّبْرُ عَلَى النَّائِبَةِ وَتَقْدِيرُ
الْمَعِيشَةِ.

یہ روایت نبوت و ولایت دونوں کی طرف سے نقل ہوئی ہے۔

انسان کامل وہ شخص ہے جس میں یہ تینوں صفتیں پائی جائیں۔

اول: دینی مسائل سے آگاہی حاصل کرے۔

دوم: مسائل کو سیکھنے میں صبر، بردباری اور استقامت سے کام لے۔

سوم: میانہ روی سے کام لے یعنی عیاشی، بخل اور افراط و تفریط سے بچے۔

قرآن شریف میں علم کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ فرمایا ہے: وہ جگہ جہاں پر تعلیم و

تعلیم اور عالم ہوا اگرچہ وہ تمدن کے اعتبار سے دیہات ہی کیوں نہ ہو وہ شہر ہے اس کے برعکس

وہ جگہ جہاں پر علم، تعلیم، تعلیم اور عالم نہ ہو، اگرچہ وہ تمدن اور معاشرتی لحاظ سے شہر ہی کیوں نہ

ہو وہ دیہات ہے۔

سورہ یسین میں شہر انطاکیہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ انطاکیہ ایک اہم ترین شہر ہے۔

قرآن کہتا ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ.

(سورہ یسین، آیت: ۱۳)

”اور پیغمبر آپ ان سے بطور مثال اس قریہ والوں کا تذکرہ کریں جن کے

پاس ہمارے رسول آئے۔“

اس کے بعد بیسیویں آیت کریمہ میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ

(یسین، آیت: ۲۰)

”اور شہر کے ایک سرے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اس نے کہا: اے قوم

والو! مرسلین کی اتباع کرو۔“

انطاکیہ پیغمبروں کے آنے سے پہلے ایک دیہات تھا کیونکہ قرآن کہہ رہا ہے۔ مثلاً

وَاضْرِبْ لَهُم مِّنْ أَصْحَابِ الْقَرْيَةِ

قریہ یعنی دیہات، اور جب اس میں پیغمبر آ گئے تو پھر اسی جگہ کے بارے میں سورہ

یسین میں یوں ذکر ہوا ہے:

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ

”مدینہ یعنی شہر۔“

پس پیغمبروں کے آنے سے قبل دیہات تھا اور ان کے آنے کے بعد شہر میں تبدیل ہو گیا۔

شہر قم نے چالیس پچاس سال کے عرصہ میں کئی ہزار مدرس، مبلغ اور علماء معاشرے کو

دیئے ہیں۔ ہمیں اہل قم کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ قرآن کی نظر میں وہ جگہ جہاں علم و عالم موجود

ہو وہ شہر بن جاتا ہے۔ شہر ہی جامعہ کو مرجع تقلید دیتا ہے۔ میرے استاد بزرگوار ہبر انقلاب

حضرت امام خمینیؑ ایک طالب علم تھے۔ شہر قم میں آئے درس و بحث میں مشغول رہے، بالآخر

ایک عظیم مرجع اور رہبر کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرے۔

قرآن شریف فرماتا ہے: کہ ایک شہر سے عالم اگر چلا جائے یا دنیا سے رخصت ہو

جائے وہ شہر ناقص اور کم ارزش ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا. (رعد، آیت: ۴۱)

”کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم کس طرح زمین کی طرف آ کر اس کو اطراف سے کم کر دیتے ہیں۔“

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

کسی دیہات یا شہر سے ایک عالم فوت ہو جائے تو وہ شہر ناقص، کم قیمت اور بے ارزش ہو جاتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے پاس علم ہے۔

اگر انسان عالم یا متعلم نہیں بن سکا تو وہ شخص امیر المومنین کے بقول ھَمَج اور امام صادق علیہ السلام کے بقول رُعاء ہے۔ ھمج ورعاء کے معانی حدیث میں بیان کئے گئے ہیں۔

انسان جاہل

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

النَّاسُ ثَلَاثَةٌ عَالِمٌ، مُتَعَلِّمٌ، أَوْ رُعاء.

لوگوں کے تین گروہ ہیں۔ عالم، متعلم اور نہ سمجھ لوگ۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

النَّاسُ ثَلَاثَةٌ عَالِمٌ، مُتَعَلِّمٌ، أَوْ ھَمَج.

”لوگ تین طرح ہیں: عالم، متعلم اور ھمج۔“

ھمج یعنی مچھر جورات کو پیدا ہوتا ہے اور لوگوں کو اذیت کرتا ہے لیکن باد نسیم کے چلنے سے وہ چھپ جاتا ہے۔ ہوا جس طرف کو چلے انہیں اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی ہے۔ وہ شخص

جو عالم نہیں ہے وہ امیر المومنین اور امام صادق علیہ السلام کے بقول ھمج ورعاء ہے۔

خصوصاً جاگیر داری نظام میں ایسا بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ غرباء کا خون جو تک کی طرح

چوستے ہیں۔ آپ توجہ کریں تو امریکہ سعودی عرب کا تیل نگل رہا ہے اور یہی سعودی عرب انہیں

بارک اللہ کہتا ہے: مجھے بڑا اچھی طرح یاد ہے کہ ایک سعودی باشندے سے میری گفتگو ہوئی تھی تو

اس نے کہا: آپ ایرانیوں کو چاہیے کہ مرگ بر امریکہ مردہ باد امریکہ کے نعرے نہ لگائیں کیونکہ امریکہ ہمارا خدمت گار ہے کیونکہ ہم لباس **Made in USA** زیب تن کرتے ہیں اور امریکی ساخت کے اے سی (A.C) وغیرہ سے ٹھنڈی ہوا لیتے ہیں۔ محنت وہ کرتے ہیں تکلیف وہ اٹھاتے ہیں اور استراحت ہم کرتے ہیں۔ پس ہمیں ان کی عزت کرنی چاہیے۔ جاہل شخص کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ عمل کے ذریعے ثواب حاصل کرے لیکن اس کے اعمال الٹ ہو جاتے ہیں۔ ثواب کی بجائے گناہ اکٹھا کرتا ہے۔

کہاوت معاشرے کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ یہاں پر ایک مثل بیان کرتا ہوں جو بہت دل چسپ ہے۔ کسی شخص نے ریچھ کے ساتھ دوستی کر لی اور اسے کہا کہ میرے کام کیا کرو۔ ریچھ نے دیکھا کہ اس کے دوست کے منہ پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اسے غصے آ گیا، مکھی کو اڑانے کے لئے اس نے پتھر اٹھا کر اپنے مالک کے منہ پر دے مارا۔ عام طور پر جاہل شخص ایسا ہی ہوتا ہے، وہ ثواب کی غرض سے ایک عمل انجام دیتا ہے لیکن نتیجہ میں گناہ ملتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ایک شخص کی میرے سامنے بہت تعریف کی گئی تو میرے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ ایک دفعہ آپ اپنے گھر سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص جارہا ہے جسے اطراف سے لوگوں نے گھیرا ہوا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جسے آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔

فرماتے ہیں: میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس نے جب مجھے دیکھا تو بے توجہی سے آگے بڑھ گیا۔ میں نے خیال کیا کہ اسے تنہائی میں ملا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص فروٹ بیچنے والے کی دکان پر گیا، وہاں سے دو انار چوری کئے پھر وہاں سے تندور پر گیا اور وہاں سے دو روٹیاں چوری اٹھائیں، اس کے بعد کھنڈرات کا رخ کیا اور جا کر انار اور روٹیاں صدقہ کر دیں۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو میں نے اسے پکڑ کر پوچھا: یہ تم نے کیا کام کیا ہے؟

اس نے کہا: میں نے کیا کام کیا ہے؟

میں نے اسے کہا: جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب کچھ میں نے دیکھا ہے۔

اس نے کہا: تم کون ہو ذرا اپنا تعارف کراؤ؟

میں نے جب اپنا تعارف کروایا تو اس نے کہا تو نواسہ رسول خدا ہے لیکن اتنا سا مسئلہ

بھی نہیں جانتا ہے۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟

میں نے کہا: قرآن کا کونسا لفظ ہے جو میری نظروں سے اوجھل ہے؟

اس شخص نے بڑا عجیب و غریب استنباط کیا۔ اس نے قرآن کی آیت کریمہ:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْثَالِهَا. (انعام، آیت: ۱۶۰)

”جو شخص ایک حسنہ یعنی نیک کام بجالاتا ہے، خدا اس کا ثواب دس برابر دیتا ہے۔“

وہ کہتا ہے: میں نے دو انار اور دو روٹیاں یعنی چار چیزیں چوری کی ہیں، لہذا میرے

نامہ اعمال میں چار گناہ لکھے گئے ہیں، جب کہ میں نے انہیں صدقہ کر دیا ہے۔ اس کا ثواب

۴۰ نیکیاں ہیں پس چالیس میں سے چار منفی کر دیں تو چھتیس حسنہ میرے نامہ اعمال میں لکھ دی

جائیں گئیں۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

میں نے اس سے کہا: تمہیں اس عمل کا کوئی ثواب نہیں ہوگا، بلکہ تیرے نامہ اعمال میں

آٹھ گناہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ چار گناہ چوری کرنے کے اور چار گناہ دوسرے کے اموال میں

ان کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کے۔

پس جاہل کے اعمال ایسے ہی ہوتے ہیں، لہذا اسلام اور روایات اہل بیت علیہم السلام

میں علم، تعلیم اور تعلم کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ رئیس المحدثین مرحوم صدوق علیہ

الرحمہ شب قدر کے اعمال کے بارے میں فرماتے ہیں:

”اس رات کا تیسرا حصہ پہلے اور دوسرے حصے سے بہتر ہے، اس رات کا تیسرا حصہ سال کے تمام اوقات سے بہتر ہے یعنی پورے کے اوقات میں سے کوئی وقت بھی قدر و منزلت اور فضیلت کے لحاظ سے اس رات کے تیسرے حصے سے بہتر نہیں ہے۔“

شیخ صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

علماء و فضلاء کے درمیان اس بارے میں بحث و گفتگو ہوئی ہے کہ اس رات کے تیسرے حصے میں کون سے عمل بہتر اور افضل ہیں؟ تمام نے کہا کہ تعلیم و تعلم اس رات میں سب سے بہترین عمل ہے۔

کیا علم غرائز کو کنٹرول کر سکتا ہے؟

علم اتنی زیادہ فضیلت رکھنے کے باوجود غرائز و تمایلات کو کنٹرول کر سکتا ہے؟ ہاں اگر عام حالات ہوں تو علم یہ کام کر سکتا ہے۔ کیونکہ عالم یا عالم دوست افراد معمولاً ظلم نہیں کرتے ہیں۔ آپ معاشرے میں نظر دوڑائیں۔ پڑھے لکھے تجار، تھانوں اور عدالتوں کے چکر نہیں لگاتے ہیں۔ اسی طرح نیک اور صالح علماء بھی کسی پر زیادتی و ظلم نہیں کرتے ہیں، لہذا عدالتوں کے چکروں سے محفوظ رہتے ہیں، کیونکہ علم، تعلیم اور تعلم عام حالات میں غرائز کو اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں لیکن اگر یہی غرائز طوفانی صورت اختیار کر جائیں تو پھر علم کے بس میں بات نہیں رہتی ہے۔

ظاہراً افلاطون نے اپنی طرف یا اپنے شاگردوں کی طرف نگاہ کی ہے اور یہ نہیں دیکھا ہے کہ آج کی دنیا میں جتنے بھی ظلم ہو رہے ہیں، یہ علم اور نئے نئے نظریوں کی وجہ سے ہیں۔ مثلاً: فروید کا نظریہ تھا کہ تمام غرائز و شہوات کی بازگشت جنسی غریزہ کی طرف ہے، حتیٰ کہ اگر بچہ اپنی ماں کا پستان منہ میں ڈال کر چوستا ہے یہ بھی جنسی غریزہ کی وجہ سے ہے، اگرچہ

اس نظریے کو اس کے شاگردوں نے باطل کر دیا ہے، لیکن اس کے برے اثرات ابھی تک معاشرے میں باقی ہیں اور شاید ہزار سال تک باقی رہیں گے۔ فروید کا شاگرد اپنے استاد کے نظریے کو باطل کرتے ہوئے کہتا ہے: اگر ایک خوبصورت عورت تمہارے حوالے کر دی جائے تو کیا تم اسے کھاؤ گے یا اپنی جنسی خواہش مٹاؤ گے۔ یہ اس نے بہت اچھی مثال دی ہے۔

اسی طرح ”دورِ کیم“ یہودی کا نظریہ بھی قابل غور ہے۔ یہودی نے نئے نئے نظریے پیش کر کے معاشرے کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل رکھا ہے۔ حتیٰ کہ مکتب مارکس بھی یہودیوں کی پیداوار ہے، اگرچہ انہیں معلوم ہے کہ ان کا نظریہ باطل ہے لیکن وہ کہتے ہیں: اس طرح سے معاشرے کو اخلاقی اقدار سے گرایا جاسکتا ہے۔ نظریہ دورِ کیم بھی اسی کے شاگردوں نے باطل کیا ہے، کیونکہ یہ نظریہ عقل و فطرت کے خلاف ہے۔

نظریہ مارکس نے معاشرے کو جن مشکلات میں ڈال رکھا ہے۔ آپ ان کا قصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ جب مارکس کے نظریہ سرمایہ داری کا میں نے مطالعہ کیا تو تیمور لنگ کا واقعہ یاد آ گیا۔

لکھتے ہیں: تیمور لنگ غسل کے لئے حمام گیا، کیسہ کش نے (کپڑے کی ایک تھیلی سی ہوتی ہے جو میل اتارنے کے لئے رگڑی جاتی ہے) اسے کیسہ ملنا شروع کیا۔ پشت پر ملنے کے بعد جب اس کے سامنے کی طرف آیا۔ تو تیمور لنگ نے اس سے پوچھا: میری قدر و قیمت کیا ہے؟

کیسہ رگڑنے والے نے کہا: جناب آپ کی قدر و قیمت ۱۰۰ روپے ہے۔

تیمور لنگ نے غصے میں آ کر کہا: اے احمق! یہ جو لنگ میں نے باندھی ہوئی ہے ۱۰۰ روپے تو اس کی قیمت ہے۔

اس نے کہا: جناب اسی لنگ ہی کی وجہ سے کہا ہے کہ آپ کی قدر و قیمت ۱۰۰ روپے

لکھتے ہیں: مارکس نے انسان کو اس قدر گرا دیا ہے کہ اسے ایک سپیئر پارٹس (فاضل پرزہ) کی منزل پر لے آیا ہے۔ میرے استاد معظم رہبر عظیم الشان انقلاب کے بقول بدعت کی بنیاد علم ہے۔ اگر غریزہ طوفانی صورت اختیار نہ کر جائے تو علم اسے مہار کر سکتا ہے، اگر شہرت طلبی کا غریزہ انسان کے اندر طغیانی پیدا کرے تو انسان فروید اور مارکس ہو جاتا ہے، جو معاشرے کو آتش کے آلاؤ کی طرف دھکیل دیتا ہے۔

پس اگر غریزہ طوفانی صورت اختیار کر جائے تو پھر علم اس کا راستہ روکنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسانی علم ایک گدھے کی مانند ہے، جس طرح گدھا وزن اٹھاتا ہے اسی طرح انسان نے علم کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے۔ سورہ جمعہ میں ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ
أَسْفَارًا.

”ان لوگوں کی مثال جن پر توریت کا بوجھ رکھا گیا اور وہ اسے اٹھانہ سکے، اس گدھے کی مثال ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔“

پس عالم بے عمل کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابوں کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہو۔ درس و بحث کا اسے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

غرائز کا طوفان اور ایمان قلبی

قرآن شریف کی سورہ اعراف میں بلعم باعور کا قصہ نقل کیا گیا ہے۔ روایات میں اس واقعہ کا عجیب و غریب معنی بیان ہوا ہے۔ خدا نہ کرے غریزہ طوفانی شکل اختیار کر جائے لہذا دکانداروں اور تجارتی حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ علی الصبح گھر سے نکلتے وقت خدا سے پناہ حاصل کر کے نکلیں۔ کاروبار اچھا نہ چلنے کا غصہ بیوی بچوں پر نہ نکالیں۔ لہذا اپنا خیال رکھیں، اپنے غصے پر کنٹرول رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ بوڑھی ماں کے ساتھ غصہ کرو اور وہ تمہیں بددعا کرے

کہ میں تجھے معاف نہیں کروں گی۔ یعنی ایسا کوئی غلط کام انجام نہ دیں، جس سے غضب خدا جوش میں آجائے۔

خصوصاً جوانوں سے مخاطب ہوں وہ چیز جو غضب خدا کو متلاطم کرتی ہے، وہ کسی کو خواہ مخواہ اذیت کرنا ہے۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ مسائل و مشکلات حل ہو جاتے ہیں، لیکن آپ اس بات کی طرف متوجہ رہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی خواہشات کی طوفانی تندو تیز لہروں میں بہہ جائیں۔ دلیر اور بہادر وہ شخص ہوتا ہے جو نرم و گرم حالات کا مقابلہ کرے۔ صبر کا دامن نہ چھوڑے، صرف علم و عقل انسان کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتے ہیں۔

کاشف الغطاء ایک پڑھے لکھے، پرہیزگار اور متقی عالم تھے۔ آپ مرجع تقلید بھی تھے۔ آپ محراب مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔

سائل آیا اس نے سوال کیا: آپ نے اسے کچھ نہ دیا۔

اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ پر لعاب دہن پھینکا۔ آپ دوسرے لوگوں کا غصہ کنٹرول کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی عبا اتار دی۔

اور کہا: جو شخص مجھ کاشف الغطاء کو دوست رکھتا ہے وہ فقیر کی ضرورت کوئی نہ کوئی مدد کرے اور خود نماز کی صفوں میں پیسے اکٹھا کرنا شروع کر دیئے۔ پیسے اکٹھے کر کے اسے دیئے۔

اور اس سے کہا: معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ کو خشمگین کیا ہے۔

ایک دفعہ علامہ کاشف الغطاء سے انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کی عصمت کے بارے میں

سوال کیا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص ہمیشہ معصوم رہے اور کبھی گناہ انجام نہ دے؟

آپ نے بڑی وضاحت کے ساتھ جواب ارشاد فرمایا:

چالیس سال ہو گئے۔ میں نے آج تک کوئی مکروہ کام تک انجام نہیں دیا ہے، جب

کہ میں ایک عام انسان ہوں۔ خدا کی طرف سے نبی یا امام ہوتا تو بڑی بات ہے۔ پس وہ کون

ی چیز ہے جو انسان کو اس مرتبہ و مقام تک پہنچاتی ہے؟ یقیناً ایمان قلبی ہی انسان کو اس قدر

منزل پر پہنچاتا ہے۔

مطلب کو زیادہ واضح اور روشن کرنے کے لئے بلعم باعور کا قصہ بیان کرتا ہوں:

بلعم باعور ایک انتہائی مقدس شخص تھا۔ علی بن ابراہیم نقل کرتے ہیں:

بلعم باعور مستجاب الدعوة تھا۔ یعنی اس کی دعا بارگاہ الہی میں بہت جلد قبول ہو جاتی

تھی، لیکن ایمان اس کے دل میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ علم کے ذریعے

اسم اعظم اس کے پاس تھا، جب تک غرائز نے اس کے اندر تلاطم برپا نہیں کیا وہ مقدس تھا

لیکن جب اس کو اسم اعظم مل گیا تو اس نے ناشائستہ کام کرنا شروع کر دیا۔

فرعون نے اسے اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ بلعم باعور نے سوچا کہ فرعون کے

پاس جانے سے مقام، مرتبہ، شہرت اور دولت ملے گی، اس نے دعوت قبول کر لی۔ اگلے دن

وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر فرعون کے پاس جانا چاہتا تھا، لیکن ہزار کوشش کے باوجود گدھے

نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اسے اس قدر غصہ آیا کہ گدھے سے نیچے اتر کر اس قدر گدھے کو مارا

کہ وہ مر گیا۔ ادھر اسم اعظم بھی بھول گیا۔ اس نے دو تین دعائیں خدا سے مانگیں لیکن قبول نہ

ہوئیں۔ بالآخر اس پر خدا کا غضب اس قدر نازل ہوا کہ قرآن میں خدا نے اسے کتے سے

تشبیہ دی ہے۔ سورہ اعراف میں رب العزت کا ارشاد ہو رہا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا.

”اور انہیں اس شخص کی خبر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا کیں۔“

لیکن اس نے اپنے علم کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے، یعنی علم اس کے غریزہ کو مہار نہیں سکا۔

اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:

فَانْسَلَخْ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ.

”پھر وہ ان سے بالکل الگ ہو گیا اور شیطان نے اس کا پیچھا پکڑ لیا تو وہ

گمراہوں میں سے ہو گیا۔“

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ.

(سورہ اعراف، آیت: ۱۷۶)

”اور اگر ہم چاہتے تو اسے انہیں آیتوں کے سبب بلند کر دیتے لیکن وہ زمین

کی طرف جھک گیا اور اس نے خواہشات کی پیروی اختیار کر لی۔“

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ.

”تو اب اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اس پر حملہ کرو یا اسے چھوڑ دو تو بھی

زبان نکالے رکھتا ہے۔“

ایسا باؤلا کتا ہے جس سے دوسرے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علم حاصل کرنا تمام لوگوں پر واجب ہے۔ افسوس ہے اس شخص پر

جس نے مدرسہ دینیہ میں ایک عرصہ گزارا ہو لیکن مسائل سے آگاہ نہ ہو۔

امام اور نبی دونوں کا فرمان ہے:

لَا يَنْظُرُوا اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

”روز جزا خدا ان کی طرف بالکل نگاہ نہیں کرے گا۔“

علم بہت اچھی چیز ہے لیکن اگر غرائز و تمایلات طوفانی صورت اختیار کر جائیں تو اسے

روکنا علم کے بس میں نہیں ہے، بلکہ اسے ایمان قلبی کی ضرورت ہے۔ ایمان کاشف العظائی کی

احتیاج ہے۔ تمام حضرات خصوصاً نوجوانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنے ساتھ احکام شرعیہ

کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کریں۔ اس کے لئے بہت زیادہ کوشش و سعی کی ضرورت

ہے۔ آئیں درخت ایمان و فطرت کی آبیاری کریں اور اس کی جڑیں مضبوط و محکم کریں،

تاکہ مشکل سے مشکل تر حالات کا مقابلہ کریں، اور غرائز کی طوفانی لہروں کے لئے محکم چٹان

ثابت ہوں۔

پس اگر دنیا اور آخرت میں فلاح و کامیابی چاہتے ہو تو اس کے لئے محکم و مضبوط

ایمان کی ضرورت ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب مکمل طور پر احکام شرعیہ کے پابند ہوں۔ روزہ، نماز، انفاق، ایثار، دوسروں کی خدمت اور اخلاق اسلامی کی رعایت کریں۔ گناہوں سے اجتناب کریں، کیونکہ عصیان و گناہ شجر ایمان کے لئے زہر کی مانند ہیں۔



پاکستان

وجدان اخلاقی کے آثار

غرائز و تمایلات کو مہار کرنے کے لئے تیسرا عامل نفس لوامہ ہے، جسے وجدان اخلاقی بھی کہتے ہیں۔ علماء اخلاق، ماہرین نفسیات اور تربیتی امور سے مربوط اساتذہ تیسرے عامل کے بارے میں بہت تاکید کرتے ہیں۔

حقیقت نفس لوامہ

نفس لوامہ سے مراد وجدان اخلاقی ہے، البتہ اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے، جس طرح علم کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ اس کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے۔ اس طرح نفس لوامہ یعنی وجدان اخلاقی کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے لیکن اس کے آثار سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اندر وجدان اخلاقی پایا جاتا ہے۔ نفس لوامہ کا کام عمل سے پہلے تشویق دلاتا ہے، دوران عمل ترغیب اور عمل کے بعد تحسین ہے۔ آپ اگر نفس لوامہ اور اخلاقی وجدان کے مالک ہیں اور اچھے کام کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہے تو یہ آپ کو اس کام کے لئے تشویق کرے گا، اسے مؤخر کر کے درست نہیں سمجھے گا۔ جب آپ اس کام میں شروع ہو گئے تو آپ کو مسلسل ترغیب دلاتا رہے گا۔ کام تمام کرنے کے بعد آپ کی تحسین کرتا ہے، جس سے آپ اپنے اندر سرور و نشاط محسوس کرتے ہیں۔

مثلاً: آپ اپنی بیٹی کا نکاح کرنا چاہتے ہیں اور نکاح سے پہلے جہیز بنانا چاہتے ہیں۔

جب آپ نے یہ کام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا تو پھر آپ کا وجدان مسلسل آپ کو تشویق کرتا رہے گا۔ اس میں تاخیر کو جائز نہیں سمجھتا ہے۔ جب آپ جہیز اور دوسرے لوازمات کی تیاری میں شروع ہو گئے تو پھر یہ مسلسل آپ کو ترغیب دلاتا رہتا ہے۔ جب آپ کی بیٹی شوہر کے ساتھ اپنے گھر چلی جاتی ہے اور آپ تمام کاموں سے فارغ ہو جاتے ہیں تو پھر یہی وجدان تحسین کرتا ہے کہ تم نے کتنا اچھا کام انجام دیا ہے۔

لیکن نفس لوامہ یعنی وجدان اخلاقی برا کام انجام دینے سے قبل تہدید کرتا ہے جب کہ دوران عمل روکتا ہے اور کام انجام دینے کے بعد سرزنش کرتا ہے۔

مثلاً: اگر کوئی شخص ارادہ کرتا ہے کہ کسی کو دھوکہ دے۔ مثلاً ایک تاجر ارادہ کرتا ہے کہ جو جنس اس کے پاس پڑی ہوئی ہے اسے سٹور کر لے تاکہ قیمت زیادہ ہونے پر اسے بلیک مارکیٹ میں فروخت کرے۔ جب وہ اس کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اندر ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جو اسے تہدید کرتی ہے۔

وجدان کی اس حالت میں علم کافی حد تک دخیل ہوتا ہے، کیونکہ جس قدر انسان کو علم زیادہ ہوگا اسی قدر دنیا و آخرت کی فکر کرے گا اور اس کام سے رکنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے گا۔

لیکن اگر پہلے مرحلہ میں وجدان کامیاب نہ ہو سکے تو اس کام کو مسلسل انجام دینے سے روکتا ہے۔ اور اسے آخرت کے عذاب سے ڈراتا رہتا ہے۔ اگر انسان دوسرے مرحلہ میں رکتا نہیں تو پھر تیسرا مرحلہ آتا ہے کہ کام تمام ہونے کے بعد وجدان اخلاقی اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور مسلسل انسان کے ضمیر پر تازیانے برساتا رہتا ہے اور کہتا ہے: تو کیسا مسلمان ہے تو نے کیوں ملاوٹ کی ہے؟ تو نے کیوں گران فروشی سے کام لیا ہے؟ کیوں دوسروں کی عزت و آبرو برباد کرتے ہو؟ کیوں انقلاب کو نقصان پہنچاتے ہو؟ بعض اوقات وجدان کی چوٹیں اس قدر سخت ہوتی ہیں کہ انسان اعصابی مریض یا دیوانہ ہو جاتا ہے۔

نفس لوامہ اور قرآن

قرآن حکیم نے اس لئے اس کو نفس لوامہ کا نام دیا ہے، کیونکہ غلط کام انجام دینے کے بعد یہ انسان کی ملامت و سرزنش کرتا ہے۔

علم کی نگاہ میں اخلاقی وجدان بہت سے کاموں کی بنیاد ہے، بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جامعہ شناسی کے بعض ماہرین کا موضوع بھی ہے۔ علماء اخلاق نے بھی اس سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اس کی اہمیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ قرآن میں خدا نے اس کی قسم کھائی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ذکر قیامت کے ساتھ فرمایا ہے:

یعنی دونوں کی خدا نے قسم کھائی ہے۔ ارشادِ قدرت ہو رہا ہے:

لَا أُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَامَةِ.

(سورہ قیامت، آیت: ۲۷)

”یعنی روز قیامت کی قسم اور نفس لوامہ کی قسم، یعنی وجدان اخلاقی کی قسم۔“

شاید نفس لوامہ کو اس لئے روز جزا کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جس طرح اس دن کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں ہوگا۔ یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ جہنم کے مستحق شخص کو جنت میں اور جنت کے مستحق شخص کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ کسی قسم کی کوئی پارٹی بازی نہیں ہوگی اس دن طاقت کے بل بوتے پر جہنم سے بچا نہیں جاسکتا۔ یا اس دن زور سے جنت میں نہیں جایا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید میں چار دفعہ انہیں موارد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشادِ قدرت ہو رہا ہے:

وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا یَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ
وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ. (سورہ بقرہ، آیت:)

”اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہیں ہو سکے گا اور کسی کی سفارش

قبول نہ ہوگی، نہ کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کسی کی کوئی مدد کی جائے گی۔“

نفس لوامہ اور اخلاقی وجدان بھی روز قیامت یہی طرز عمل اختیار کرے گا۔ یہ کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں کرے گا۔ سورہ الشمس میں بھی اس کی قسم کھا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا. سورہ الشمس، آیت: ۷)

”اور نفس کی قسم اور جس نے اسے درست کیا۔“

یعنی نفس لوامہ کی قسم جو کسی قسم کا اشتباہ نہیں کرتا ہے اچھائی اور برائی کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہے۔ اگر تم پارٹی بازی کرنا چاہو اور اس کی تعریف کرو کہ اے نفس تم بہت اچھے ہو۔ میں جو چاہوں مجھے انجام دینے دو یا تم اسے کسی قسم کی کوئی رشوت دو اور کہو تم میرے بہت اچھے دوست ہو، میرے راستے کی رکاوٹ نہ بنو ہر کام میں مجھے اپنی مرضی کرنے دو یا تم نفس لوامہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی فراڈ کرنا چاہو تو ایک بھی نہیں چلے گی، وہ کام بغیر کسی اشتباہ کے انجام دے گا۔ ان چیزوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا، لہذا قرآن کی نگاہ میں نفس لوامہ یا وجدان اخلاقی ایک شریف ترین موجود ہے۔

اکثر اچھے کام اسی وجدان سے مربوط ہیں، کیونکہ وجدان کے بغیر عاطفہ و مہربانی کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اُس فرد، خاندان یا ملت و قوم کی حالت پر انتہائی افسوس ہے کہ جس میں ہر عاطفہ مفقود ہو جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج کی دنیا اپنے علم اور تمدن کی وجہ سے شہوت کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ کوئی بھی ان کی فریاد سننے والا نہیں ہے، کیونکہ ان کے دل مر چکے ہیں۔ عاطفہ اور وجدان اخلاقی ان سے رخصت ہو چکا ہے اور اس کی جگہ علم جاگزیں ہو چکا ہے۔ اسلام کے نزدیک عاطفہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ روز قیامت یہی عاطفی و وجدانی کام ہی ہماری دستگیری کریں گے۔

علامہ مجلسی جو بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے اور انہوں نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ میرے استاد بزرگوار اور عظیم الشان انقلاب کے بانی حضرت امام خمینیؑ فرماتے ہیں انہوں نے شاہ عباس ایران کے ایک بادشاہ کو اپنا خدمت گزار اور غلام بنا لیا تھا۔

علامہ مجلسی نے صفویہ کو اپنا نوکر بنا لیا تھا۔ انہوں نے شیعوں کے لئے بہت کام کیا تھا۔ کاشف الغطاء، شیخ بہائی اور مجلسی اول نے اسلام کے لئے واقعاً بہت کام کیا ہے۔

علامہ مجلسی کے کام اور محنت کی وجہ سے ایک اہل سنت عالم نے کہا تھا: دین و مذہب جعفری کی بجائے دین مجلسی کہنا چاہیے۔ میرے استاد محترم علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد بار مجھے فرمایا تھا: اگر کوئی شخص بحار الانوار کا دورہ مکمل کر لے تو تمام اسلامی معارف کا علم اسے ہو جاتا ہے۔ واقعاً علامہ مجلسی کا اسلام اور مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان کا مقام یقینی طور پر بہشت میں ہوگا۔

کسی شخص نے آپ کو خواب میں دیکھا اور عرض کی: آقا کیسی گذر رہی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک عمل میرے بہت کام آیا ہے کہ ایک دفعہ میں مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا تھا کہ بہت تیز ژالہ باری شروع ہو گئی۔ بلی کا بچہ اس میں پھنس گیا۔ میں نے اٹھا کر اسے اپنے کوٹ میں چھپا لیا۔ جب ژالہ باری ختم گئی تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ انہیں کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

انہوں نے فرمایا تھا: ایک کام نے قبر میں میری بہت مدد کی ہے۔ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں کوچہ بنام جو بارہ (شہر اصفہان کا ایک یہودی نشین کوچہ تھا) سے گذر رہا تھا کہ میں نے ایک یہودی کے بچے کو دیکھا کہ اس وقت میرے ہاتھ میں ایک سیب تھا۔ سیب دیکھ کر وہ بچہ بہت خوش ہوا۔ میں نے وہ سب اسے دے دیا۔

آخرت اور تجسم اعمال

ایک عارف شخص نقل کرتا ہے کہ بڑا عجیب ہوا کہ مجھ سے توفیق چھن گئی تھی۔ رات کو خواب میں مجھے کہا گیا:

شَكَتْ عَنْكَ غُصْفُورَةٌ فِي الْحَضْرَةِ.

”خدا کے حضور ایک چڑیا نے تیری شکایت کی ہے۔“

نیند سے بیدار ہونے کے بعد میں بہت پریشان ہوا۔ مجھے یاد آیا کہ میں نے چڑیا کا ایک بچہ پکڑا تھا۔ تھوڑی دیر اس کے ساتھ کھیلتا رہا، پھر اسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ کہتا ہے: کہ میں اس کام سے بہت پریشان ہوا۔ میں شہر چھوڑ کر جنگل و بیابان کی طرف نکل گیا۔ وہاں پر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سانپ نے چڑیا کا بچہ منہ میں پکڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے مارنے کے لئے اپنی لاٹھی اٹھائی تو سانپ بچے کو چھوڑ کر دوڑ گیا۔ اسی رات خواب میں مجھے کہا گیا:

شَكَرْتُ عَنْكَ عُصْفُورَةٌ فِي الْحَضْرَةِ.

”خدا کی بارگاہ میں چڑیا نے آپ کا شکریہ ادا کیا ہے۔“

وہ کہتا ہے: اس کے بعد خدا کی توفیق میرے شامل حال ہو گئی اور ذکر و عبادت میں

لطف آنے لگا۔

ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں:

کسی شخص نے ایک بزرگ عالم دین کو خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا:

ہر صبح ایک بچھو آتا ہے جو میرے پاؤں کے انگوٹھے پر ڈنگ مارتا ہے۔ میں اس کے درد میں اگلی صبح تک تڑپتا رہتا ہوں۔ اگلی صبح وہ دوبارہ مجھے ڈستا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایک مسلمان کو زبان کے ذریعے اذیت دی تھی۔

یہ کوئی خود ساختہ قصہ نہیں ہیں، بلکہ قرآن میں ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرَةٌ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ

سُوْءٍ. (سورہ آل عمران، آیت: ۳۰)

”اس دن کو یاد کرو جب ہر شخص اپنے نیک اعمال اور بد اعمال کو حاضر پائے گا۔“

خداوند کریم انسان پر بہت مہربان ہے۔ وہ اسے ڈراتا ہے اور کہتا ہے:

تم جو کام بھی انجام دو گے اسے اپنے سامنے موجود پاؤ گے۔ عمل ہی روز قیامت آپ

کا اچھایا برساتھی ثابت ہوگا، لہذا غیبت کرنا، مسلمان کی آبروریزی کرنا، گھر میں جھگڑا فساد کرنا، بدگوئی کرنا، زبان درازی کرنا اور اپنے ماتحت افراد کی دل آزاری کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی اعمال بچھو کی صورت اختیار کریں گے اور دن رات ڈتے رہیں گے۔ پس ایسے عمال سے ڈریں۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ نے امام محمد باقرؑ سے انہوں نے امام سجادؑ سے امام حسینؑ سے اور آپ امیر المومنین امام علیؑ سے روایت نقل کرتے ہیں:

إِيَّاكَ وَالظُّلْمَ مَنْ لَا يَجِدُ نَاصِرًا إِلَّا اللَّهُ.

”یعنی ظلم کرو خاص کر ان افراد پر جن کی پناہ گاہ صرف خدا کی ذلت ہے۔“

جس گھر میں بیوی ہے مجھے یاد کان پر ملازم ہے۔ جھگڑا و فساد بے عافیتی و بے وجدانی کی علامت ہے جب کہ صلح و صفائی اور مہربانی کرنا یا وجدان ہونے کی نشاندہی ہے۔ لہذا جس شخص میں عاطفہ زیادہ ہوگا وہ ایثار و عفو گذشت زیادہ کرے گا۔ اور بارگاہ ایزدی میں اس کا مقام و مرتبہ بلند ہوگا۔

غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم میں نقل کرتے ہیں:

ایک شخص شہر حمص کا فرماندار اور حاکم بن کر آیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی شکایت کی گئی۔ اسے مدینہ میں طلب کیا گیا۔ یہ شخص وہاں سے پیدل مدینہ منورہ پہنچا۔ اپنی گٹھڑی سمیت وارد مسجد ہوا۔

تمہاری پہلی شکایت یہ ہے کہ تم ہر روز دیر سے گھر سے نکلتے ہو۔

اس نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔

تجھ سے دوسری شکایت یہ ہے کہ رات کو تم بالکل نہیں ملتے ہو۔

اس نے کہا: یہ بھی درست ہے۔

تیسری شکایت یہ ہے کہ تم ہفتے میں ایک دن بالکل غائب ہو جاتے ہو۔

اس نے کہا: یہ بھی صحیح ہے۔

اس نے اپنی شکایت کا دفاع کرتے ہوئے کہا:

صبح اس لئے دیر سے گھر سے نکلتا ہوں کہ میں نے گھر کے کام اپنی بیوی کے ساتھ تقسیم کئے ہوئے ہیں، لہذا روٹی پکانا میرے حصے میں آیا ہے چونکہ سردی کا موسم ہے آٹا گوندھنے اور روٹے پکانے میں دیر لگ جاتی ہے، اس لئے دیر سے آتا ہوں۔

کہا گیا: بہت اچھا ہے۔ آپ کا یہ جواب قانع کنندہ ہے۔

یہاں پر اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ گھر میں بیوی بچوں پر اپنا غصہ نہ اتاریں۔ یہ چیز فشارِ قبر کا باعث بنتی ہے، جو انسان کی ہڈیوں کو پیس کر رکھ دیتا ہے۔ گھر میں لڑائی جھگڑا اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا انسان کو کتے کی صف میں لا کر کھڑا کرتا ہے۔

ایک بزرگ شخص نے کسی دوسرے شخص کو خواب میں کتے کی شکل و صورت میں دیکھا تو اس سے پوچھتا ہے تو تو ایک نیک اور مقدس شخص تھا تو کتا کیسے بن گیا ہے؟ اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا: ہائے گھر میں بداخلاقی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ پر نظر کریں تو دیکھتے ہیں کہ آپ کپڑوں کی خود سلائی کرتے، آٹا گوندتے اور روٹیاں پکاتے تھے، لہذا آپ حضرات سے گزارش کروں گا کہ بیوی بچوں کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آئیں۔ لڑائی جھگڑا کرنا انسانیت نہیں ہے۔ یہ چیتے اور بھیڑیا کی صفت ہے۔ کتنی بری بات ہے کہ کل روز قیامت انسان کتے اور بھیڑیے کی شکل میں محسوس ہو۔

شہرِ حمص کا گورنر کہتا ہے: دوسرا شکوہ یہ تھا کہ میں رات کے وقت کیوں کسی سے نہیں ملتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنے اوقات کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ رات کا وقت عبادتِ خدا اور دن کا وقت لوگوں کی خدمت کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔

تیسرا اعتراض یہ تھا: میں ہفتے میں ایک دن کیوں غائب ہو جاتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ چونکہ میرے پاس صرف ایک ہی لباس ہے۔ میں ہفتے میں ایک دفعہ غسل کرنے حمام جاتا ہوں تو وہ لباس اتار کر اپنی بیوی کو دھونے کے لئے دے دیتا ہوں چونکہ سردی کا موسم ہے لباس دیر سے خشک ہوتا ہے، اس لئے میرا زیادہ وقت گھر میں گذرتا ہے اور لوگ مجھے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جمعہ کا دن عبادت خدا کرنے کا دن ہے۔

سارے اعتراضات کا جواب سن کر لوگوں کے دلوں میں اس گورنر کی محبت و عقیدت موجزن ہوئی۔ اس کے لئے پیسوں کا بندوبست کیا گیا تا کہ وہ کسی شخص کو نو کر رکھ سکے، جو اس کے حصے کا کام کرے اور کوئی اور لباس وغیرہ بنا لے۔ اس نے پیسے جیب میں ڈالے اور وہاں پیدل شہر حمص کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچنے سے پہلے اس نے منادی سے کہا کہ شہر میں اعلان کر دیں کہ میرے پاس کچھ پیسے ہیں اگر کسی کو ضرورت ہو تو آ کر لے جائیں۔ کچھ رقم لوگوں کے درمیان تقسیم کر دی اور کچھ بچ گئی۔ اس کے بعد گھر گیا اور سارا واقعہ اپنی بیوی کو سنایا۔ بیوی کو جب معلوم ہوا کہ کچھ پیسے باقی ہیں تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ اب کوئی خادم رکھ لو تا کہ آپ کی جگہ کام کرے اور نیا لباس بھی خرید لو۔

اس نے کہا: ایسا نہیں کروں گا، بلکہ ان پیسوں کو سنبھال کر رکھو۔ ان کو مہم کام میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ایک ضرورت مند شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے وہ سارے پیسے اٹھا کر اس شخص کو دے دیئے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو اپنی بیوی سے کہتا ہے: میں اپنے حصے کا کام خود کروں گا۔ روٹیاں خود پکاؤں گا اور اسی ایک لباس میں ہی زندگی گذر جائے گی۔ پروردگار عالم انشاء اللہ روز آخر ہمیں بہت اچھا لباس عطا کرے گا۔

کیا وجدان اخلاقی غرائز کو کنٹرول کر سکتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ آیا وجدان اخلاقی کے اندر اتنی طاقت ہے کہ وہ انسان کے غرائز اور تمایلات کو کنٹرول کر سکے؟

اس کا جواب بھی وہی ہے جو علم اور عقل کا دیا گیا ہے۔ ہاں معمولی حالات میں یہ عامل کارگر ثابت ہو سکتا ہے لیکن اگر یہی غرائز طوفانی صورت اختیار کر جائیں تو پھر وجدان اخلاقی کی آواز صدا بصراء ثابت ہوگی۔ یہ اس اٹکل گھوڑے کو قابو نہیں کر سکے گا۔ جنایتکار لوگوں سے تاریخ بھری پڑی ہے کہ ظلم و بربریت کا بازار گرم کرنے کے بعد وجدان اخلاقی نے ان کے ضمیر پر اس قدر تازیانے برسائے کہ وہ دیوانے ہو گئے، لیکن جب ان کا غریزہ طوفانی شکل اختیار کر لیتا تھا تو یہ وجدان اخلاقی کو پائمال کر دیتے تھے۔

انیسٹن نے ایٹم بم ایجاد کیا۔ اس کے اس کام کا نتیجہ جاپان میں کچھتر ہزار معذور بے گناہ جاپانیوں کے خون کی صورت میں نکلا۔ واقعہ کچھ اس طرح سے ہے کہ امریکی حکمرانوں نے ایک پچیس سالہ نوجوان کا انتخاب کیا اور اسے یہ لالچ دیا کہ اگر تم یہ ایٹم بم جاپان کی حدود میں گرا کر واپس لوٹ آئے تو مجھے ترقی دے کر بڑے عہدے پر فائز کیا جائے گا۔ شہرت طلبی، مال و دولت کی ریل پیل اور حکمرانوں کی حوصلہ افزائی نے اس کے غریزہ کو ابھارا۔ اس نے طوفانی شکل و صورت اختیار کی۔ اخلاقی وجدان کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ جاپان میں بم گرانے کے بعد جب اسے پتہ چلا کہ ۷۵ ہزار بے گناہ جاپانی خاک و خون کے بستر پر ابدی نیند سوچکے ہیں۔ اسی وقت اس کے ضمیر پر تازیانے برسا شروع ہو گئے۔ وہ رات سو نہ سکا۔ وجدان اخلاقی نے ٹھوکر مارنا شروع کر دیں۔

وہ اپنے آپ کو مسلسل یہ کہتا رہا کہ میں وہ شخص ہوں جس نے ۷۵ ہزار بے گناہ جاپانیوں کو خاک و خون میں نہلایا ہے۔ یہ احساس مسلسل اسے چوٹیں لگاتا رہا۔ آخر کار وہ اعصاب کا مریض ہو گیا۔ اسے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ وہاں سے وہ دوڑ گیا۔ وہ دیوانہ ہو گیا تھا۔ اسے پکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ مرتے دم تک وہ یہی کہتا رہا کہ میں قاتل ہوں۔ میں نے ۷۵ ہزار جاپانیوں کا ناحق خون بہایا ہے۔

پس جب یہ شخص بم گرانا چاہتا تھا تو اس وقت اس کے غرائز طوفان کی صورت اختیار کر

چکے تھے وجدان انہیں کنٹرول نہیں کر سکا، لیکن جب وہ شخص یہ غلط کام انجام دے چکا تو وجدان اخلاقی میدان عمل میں اتر آیا۔

پس یہ بات میری گفتگو پر بہترین دلیل ہے کہ اگر غرائز طوفانی ہو جائیں تو وجدان اخلاقی انہیں قابو میں نہیں لاسکتا ہے۔



باب ہفتم

غرائز کو کنٹرول کرنے میں قانون کا عمل دخل

غرائز کو مہار کرنے والے جن تین عوامل کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔ کہا گیا ہے کہ کنٹرول کرنے والے بعض عوامل کا تعلق خارج سے ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک عامل قانون ہے۔ اگر قانون اور اس کا اجزاء اچھا ہو تو اس کے ذریعے انسانی غرائز و تمایلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمایلات کی طوفانی و طغیانی صورت کو قانون مہار کر سکتا ہے؟

انسان اور قانون

انسان اجتماعی اور مدنی الطبع ہے اگرچہ اس معاشرے میں زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اس کے لئے قانون کا پابند ہونا ضروری ہے، تاکہ خواہشات و تمایلات پر کنٹرول کر سکے۔

جب انسان قبائل کی صورت میں زندگی گزارتا تھا۔ اس زمانہ سے لے کر آج تک کسی نہ کسی طرح سے قانون کا انسانی زندگی میں عمل دخل رہا ہے۔ جب آپ انسانی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو پتہ چلے گا کہ انسان چاہے متمدن ہو یا غیر متمدن اس نے زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ قوانین ضرور بنائے ہیں۔ اسلام نے بھی قوانین بیان کئے ہیں۔ اگر اسلامی فقہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ نصف سے زیادہ فقہ قوانین پر مشتمل ہے۔ یعنی عبادی ابواب مثل نماز، روزہ، حج وغیرہ کے علاوہ باقی قوانین ہیں۔ مثلاً جتنے بھی معاملات ہیں یہ قوانین کا

مجموعہ ہیں۔ قرآن مجید نے بھی انہیں بیان کیا ہے۔ مثلاً ارشاد رب العزت ہو رہا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِي الالْبَابِ . (بقرہ، آیت: ۱۷۹)

”اے صاحب عقل و دانش قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔“

یہاں پر ہر قصاص کو باب مثال ذکر کیا ہے۔ یعنی انسان کی اجتماعی زندگی قانون کے زیر سایہ رہنے سے ہے۔

سورہ انعام میں بعض قوانین کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:

وَاِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ . (سورہ انعام، آیت: ۱۵۳)

”اور ہمارا سیدھا راستہ ہے اور اس کی اتباع کرو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ راہ خدا سے الگ ہو جاؤ گے۔“

یعنی انسان کے لئے راہ راست یہی ہے کہ وہ قانون کے تابع ہو کر زندگی گزارے۔

بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے کہ قرآن میں قوانین بیان ہوئے ہیں اور یہ چیز تجربہ سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ انسان اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے قانون کا محتاج ہے۔ فرض کریں اگر گھنٹہ کے لئے شہر کے اندر ٹریفک قوانین کی پاسداری نہ کی جائے تو کس قدر حادثات پیش آئیں گے؟ نظام زندگی معطل ہو کر رہ جائے گی۔ پس اجتماعی زندگی گزارنے کے لئے قانون کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ قانون اتنی قدر و منزلت کے باوجود انسان کو مہار کر سکتا ہے؟ ہاں جب تک غرائز براہیختہ نہ ہوں، نفس امارہ طوفانی صورت اختیار نہ کر جائے تو قانون انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ البتہ یہ اس وقت ہے جب قانون اسلامی ضوابط کے مطابق ہو، اور اس کا کنٹرول پیغمبر، امام معصوم یا ولی فقیہ کے پاس ہو۔ لیکن اگر غرائز طوفانی صورت اختیار کر جائیں تو پھر قانون ان کے لئے مٹی کا ایک تودہ ہے جو سیلاب کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

قانون پر اعتراضات

قانون انسان کے مرتبہ و مقام کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ عام طور پر قانون خلاف کاریوں سے روکنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ جب کہ انسان اپنی بلند مقامی کی وجہ متجاوز و خلاف کار نہیں ہوتا ہے۔ یا قانون اس لئے بنایا جاتا ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے جب کہ انسان اگر صحیح معنی میں انسان ہو تو کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ پس انسان کے اندر اگر انسانیت پائی جائے تو پھر قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے جامع شناس اور ماہرین جامعہ کا نظریہ ہے کہ قوانین کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اخلاقی اعتبار سے پستی و انحطاط کا شکار ہو رہا ہے۔ یعنی اگر قرآن شریف کوئی قانون بیان کرتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ

”اپنی اولاد کو بھوک کے ڈر سے قتل نہ کرو۔“

یہ قانون الہی اس بات کی دلیل ہے کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اس قدر گمراہ تھے کہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ یا اگر قانون الہی ہے کہ:

لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (سورہ انعام، آیت: ۱۵۱)

”برائیوں کے قریب نہ جانا، چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔“

یعنی یہ قانون فحشاء و منکرات کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ انسان انحطاط کا شکار ہے۔ اگر یہ الہی اخلاق سے آراستہ ہوتا یا صحیح معنوں میں خلیفہ خدا ہوتا تو قوانین کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ قرآن کی آیات کی کل تعداد سات ہزار ہے۔ بزرگ فقیہہ مقدس اردبیلی نے آیات الاحکام کتاب لکھی ہے، جس میں انہوں نے پورے قرآن میں سے آیات احکام کو اکٹھا کیا ہے، جن کی کل تعداد چھ سو تک ہے۔ لیکن اس سے برعکس چار ہزار سے زیادہ آیات مستقیم یا غیر مستقیم طور پر انسان اور اس کے اخلاق کے بارے میں ہیں یہ

اس بات پر دلیل ہے کہ انسان خدا کی نظر میں بہت محترم ہے۔
قرآن کہتا ہے:

میں تیرے لئے ایک کتاب ہوں، کوئی قانون کی کتاب نہیں ہوں، اگر تم صحیح معنوں میں انسان بن جاؤ تو تمہارے لئے کسی قانون کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

نقل کرتے ہیں: اسکند ذوالقرنین ایک شہر میں داخل ہوئے، وہاں پر انہوں نے ایک ایسی چیز دیکھی جو کسی اور جگہ دیکھنے میں نہ آئی کہ ان لوگوں نے اپنی دوکانوں اور اپنے گھروں کو دروازے نہیں لگائے ہوئے ہیں۔ رات کو اسی طرح دکان چھوڑ کر گھر چلے جاتے اور صبح آ کر اپنی دوکان پر بیٹھ کر سودا سلف بیچتے تھے۔ وہ حیران و پریشان ہوا کہ کیا یہاں پر کوئی چور نہیں ہے؟ دکانوں کو لوگوں نے دروازے کیوں نہیں لگائے ہوئے ہیں۔ کئی دنوں تک بطور مخفی وہ اس شہر میں آتا جاتا رہا۔ اس نے شہر کے باسیوں کے درمیان محبت، رحم اور دوستی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔ شیخ سعدی کے بقول یہ تمام لوگ ایک بدن کے اعضاء ہیں، اگر کسی ایک کو کوئی تکلیف یا پریشانی ہوتی تو سارے اس کے ساتھ شریک ہو جاتے۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں مسلمان وہ شخص ہے کہ اگر اسے پتہ چلے کہ فلاں مومن مریض یا محتاج ہے تو اسے اس کی فکر میں نیند نہ آئے۔

یا قرآن شریف کے بقول:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ.

(سورہ فتح، آیت: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لئے سخت

ترین اور آپس میں انتہائی رحمدل ہیں۔“

اسکندر کو اس بات پر بھی تعجب ہوا کہ اس شہر میں کوئی قبرستان نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کی قبریں اپنے گھروں کے سامنے بنائی ہوئی ہیں۔ اس تعجب کی کوئی انتہا نہ

رہی۔ جب یہ دیکھا کہ ان قبروں میں دفن ہونے والے سب کے سب جوان ہیں اس نے تمام قبروں کو دیکھا کہ کوئی بھی دفن ہونے والا تیس سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہے اس نے تعجب کیا، بالآخر ایسا کیوں ہے۔ تمام کے تمام جوانی ہی میں کیوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں؟ اس نے ایک عقل مند بوڑھا شخص تلاش کیا۔

اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ اور کہا: میں نے دنیا جہان کی سیر کی ہے لیکن آپ کے شہر جیسا میں نے کوئی بھی شہر نہیں دیکھا ہے۔ اس بوڑھے آدمی سے پوچھا کہ یہاں پر لوگوں نے دکانوں اور گھروں کو دروازے کیوں نہیں لگائے ہیں؟ اس بوڑھے نے کہا:

دروازے چوری کے خطرے سے لگائے جاتے ہیں اور یہاں کوئی بھی چور نہیں ہے۔ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس نے کہا:

آپ لوگوں کے درمیان اس طرح سے تعاون و محبت ایک عجوبہ روزگار ہے، یہ کیسے ممکن ہے؟

اس بوڑھے شخص نے کہا:

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، کیونکہ انسان مہربانی، لطف، محبت اور عاطفی کا نام ہے۔ تعجب و پریشانی کا اظہار اس وقت کرنا چاہیے جب یہ مفقود ہو جائیں۔ انسان اگر ظلم و زیادتی کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے وجدان اخلاقی اور عقل کو پائمال کرنا ہوگا۔ پس انسان اس وقت صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے جب اس کے اندر عاطفہ مجسم صورت اختیار کر جائے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں:

اگر عاطفہ مجسم ہو جائے تو ایک سگ بن جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ بہت بڑے اشتباہ کا شکار ہیں، کیونکہ اگر عطوفت، محبت مجسم ہو جائے تو صحیح معنوں میں ایک انسان بنتا

ہے۔ انسان یعنی جو لطف و محبت کا مجسمہ ہو، دوسرے کے ساتھ تعاون کرے۔ اگر دوسروں کا خیال نہ کرے تو صحیح معنوں میں انسان نہیں ہے۔

اس بوڑھے شخص نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: یہ قبریں ہم نے اس لئے اپنے گھروں کے سامنے بنائی ہیں کہ جب ہم صبح گھر سے نکلیں تو سب سے پہلے ہماری نظریں اپنے آباؤ اجداد کی قبروں پر پڑیں، تاکہ یہ ہمارے لئے ایک درس ہو کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔ ہمیں بھی اسے چھوڑنا ہے، لہذا اپنے آپ پر کنٹرول کرنا چاہیے، کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔

یہ جو ہر قبر کے اوپر اس کی عمر لکھی ہوئی ہے کہ فلاں کی عمر بیس سال فلاں کی پچیس اور فلاں کی تیس سال یہ اس لئے کہ ہماری زندگی میں کسی قسم کا جھوٹ، خلاف ورزی اور تضاد نہیں ہے، لیکن اگر قبر پر یہ لکھیں کہ فلاں شخص کی عمر ستر یا اسی سال ہے یہ جھوٹ ہے کیونکہ وہ شخص جو تیس یا چالیس سال خواب غفلت میں سویا رہا ہے ہم اسے زندگی و حیات انسان کا نام نہیں دیتے ہیں بلکہ اس زندگی کو حیات کا نام دیتے ہیں، جو انسان نے عطوفت، محبت اور احساس میں گذاری ہے۔

آیہ کریمہ:

إِنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا .

کی تفسیر میں امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب میرے بیٹے حضرت مہدیؑ آئیں گے تو وہ مردہ ضمیر انسان اور زمین کو حیات تو بخشیں گے۔

سورہ توبہ میں ارشادِ قدرت ہو رہا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ . يَمْلَأُ اللَّهُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا بَعْدَ مَا مَلَأَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا .

”وہ خدا ہے جس نے اپنے نبی کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے، چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔“

اس کے بعد روایت کے الفاظ ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے پر ہوگی۔“

یعنی جب حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو زمین کے ہر گوشہ میں اسلام کی حکمرانی ہوگی۔ اس دن انسان اپنی آرزو پا لے گا۔ پس قانون انسان کی شرافت و مقام کے ساتھ سازگار نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کے لئے ایک بے کار ہے۔ روایات یا قرآن میں قانون کا جو ذکر ہوا ہے یا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ تک جو قانون چلا آ رہا ہے، یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانیت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

پس اگر انسان نیک اور صالح ہو تو قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن انسان سازی کے لئے نازل ہوا ہے۔ جب انسان اس کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے گا تو قانون کی بالکل کوئی احتیاج نہیں ہوگی۔

خلوت میں قانون کا عمل دخل

قانون میں دوسرا نقص یہ پایا جاتا ہے کہ یہ صرف ظاہری صورت حال میں مفید ہوتا ہے۔ تنہائی اور خلوت قانون میں بے بس ہوتا ہے۔ اکثر و بیشتر ظلم و جرم چھپ کر انجام دیا جاتا ہے لہذا انسان کی حفاظت کے لئے ایک مخفی محافظ کی ضرورت ہے جو کہ خدا کی ذات پر ایمان رکھنا اور اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

قرآن میں ارشاد قدرت ہے:

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ. (سورہ توبہ، آیت: ۱۰۵)

”کیا وہ نہیں جانتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔“

میرے استاد بزرگوار علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا صحیح معنوں میں ادراک کیا تھا، لہذا یہ محافظ ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا۔ جب بھی ان سے کوئی کہتا: آقا! مجھے نصیحت کریں تو آپ ایسی ہی آیت کریمہ کو اپنی گفتگو کا موضوع قرار دیتے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک بزرگ عالم آپ کے پاس آئے ہوئے تھے وہ واپس اپنے شہر جانا چاہتے تھے۔

انہوں نے کہا:

آقا! کوئی نصیحت فرمائیں جو ہمیشہ مجھے یاد رہے؟ آپ نے قرآن کی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ.

”کیا انسان یہ نہیں جانتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے؟“

اسی طرح ایک اور دفعہ میں آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ سے نصیحت کی فرمائش کی گئی تو آپ نے سورہ توبہ کی آیت ۱۰۵ کی تلاوت فرمائی:

قُلْ اَعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ.

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمہارے عمل کو اللہ، رسول

اور صاحبان ایمان سب دیکھ رہے ہیں۔“

اے انسان! تو جو کام بھی انجام دیتا ہے۔ خداوند کریم، اس کا پیغمبر اور اہل بیت علیہم السلام اسے دیکھتے ہیں۔ اب آپ یہاں پر تشریف فرما ہیں اور میں آپ کے حضور گفتگو کر رہا ہوں، خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ اور اہل بیت پیغمبر حاضر و ناظر ہیں۔ وہ بھی سب

کچھ دیکھ رہے ہیں۔ یہ اس آیت کریمہ کا ظاہری معنی ہے۔ اس کی کوئی تاویل نہیں ہے۔ وہ نہ صرف عمل بلکہ جس نیت سے انجام دے رہے ہیں اسے بھی دیکھ رہے ہیں۔ یعنی ابھی میں جو گفتگو کر رہا ہوں۔ اس میں خلوص ہے یا نہیں؟

امام زمانہ علیہ السلام روز قیامت گواہی دینا چاہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے حال سے واقف نہیں ہوں گے تو کس طرح شہادت دیں گے؟ کس طرح کہیں گے کہ فلاں شخص کا عمل خلوص پر مبنی تھا اور فلاں کا نہیں۔ آپ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں آپ کے عمل کی حقیقت سے آگاہ ہوں تو شہادت دے سکیں گے۔ ارشاد قدرت ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا. (بقرہ، آیت: ۱۴۳)

”اور ہم نے تمہیں درمیانی امت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہیں اور پیغمبر تمہارے اعمال کے گواہ رہیں۔“

آئمہ طاہرین روز قیامت گواہی دیں گے۔ امام زمانہ علیہ السلام روز قیامت اس مجلس کے بارے میں گواہی دیں گے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہمارے دلوں پر مسلط ہوں تاکہ شہادت دے سکیں۔

مجھے بھولا نہیں ہے۔ یہ ان کی آخری گفتگو تھی۔ اگلے روز وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

میں نے ان سے عرض کیا تھا: آقا کوئی نصیحت فرمائیں۔

انہوں نے فرمایا تھا:

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُون.

(سورہ بقرہ، آیت: ۱۵۲)

”پس تم ہم کو یاد کرو تاکہ ہم تمہیں یاد رکھیں اور ہمارا شکر یہ ادا کرو اور کفران

نعمت نہ کرو۔“

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ.

معنی یہ ہے کہ اے انسان مجھے ہمیشہ یاد رکھو اگر تم اس طرح سے ہو گے تو ارشاد قدرت ہے:

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ جَبَلٍ أَلْوَيْدٍ. (سورہ ق، آیت: ۱۶)

”اور ہم اس سے رگ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔“

اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:

أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ. (سورہ انفال، آیت: ۲۴)

”یاد رکھو کہ خدا انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔“ اور

اس کے اندرونی حالات سے آگاہ ہے۔

جو کام تم انجام دیتے ہو میں پہلے سے اسے جانتا ہوں۔ اگر ہم استاد بزرگوار کی اس قرآنی نصیحت کو یاد رکھیں تو اصلاً کسی قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ استاد بزرگوار رہبر عظیم انشان انقلاب بھی ایسی ہی شخصیت کے مالک تھے۔ جب کبھی ان سے کہا جاتا کہ آقا کوئی نصیحت فرمائیں، تو وہ بھی یہی کہا کرتے تھے: اپنے آپ کو ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں حاضر سمجھیں۔ اگر تم خدا کو نہیں دیکھ سکتے تو کم از کم اتنا تو سمجھ لو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اے تاجر و دکاندار حضرات! جب آپ کوئی معاملہ انجام دیتے ہو تو اس بات کی طرف متوجہ رہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ خدا ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ پس قانون میں دوسرا نقص یہ ہے کہ جلوت و ظاہر میں اچھا ہے لیکن خلوت میں مشکل کا حل نہیں ہے۔ مثلاً میاں بیوی کے درمیان محبت و عطوفت ہونی چاہیے، دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کا لحاظ کرنا چاہیے، ایک شخص ظاہری طور پر تمام قوانین کا لحاظ کرتا ہے لیکن جو نہی گھر میں قدم رکھتا ہے بیوی بچوں کی شامت لے آتا ہے۔ لڑائی جھگڑا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت قانون کیا کر سکتا ہے؟ اے انسان! اچھی طرح سے جان لو کہ تمہارا کام فشار قبر کا موجب بنے گا اور یہی چیز

انسان کی بد اخلاقیوں کو مہار کر سکتی ہے۔ خدا نہ کرے بیوی خائن ہو، شوہر کے سامنے نیک پاک بن کر رہے، حجاب اسلامی کی مکمل پاسداری کرے لیکن شوہر کی عدم موجودگی میں غلط کاریاں کرتی رہے۔ اس وقت قانون، عقل اور وجدان بے کار ہو جاتے ہیں۔ فقط جو چیز کنٹرول کر سکتی ہے وہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی ہے۔

نقل کرتے ہیں: مہنگائی بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ ایک سیدہ زادی خاتون کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ اس کے ہمسائے میں ایک لوہار رہتا تھا۔ اس کی مالی حالت اچھی تھی۔ وہ خاتون اپنے ہمسائے کے پاس گئی۔ اور اس سے کہا: کہ مجھے کچھ گندم دے دیں۔ وہ کمینہ شخص تھا۔ اس نے کہا: گندم تمہیں دوں گا لیکن پہلے میرا بستر گرم کرو، وہ عورت واپس چلی گئی۔ دو تین روز بعد دوبارہ اس کے پاس گئی۔ اس نے پھر وہ شرط رکھی۔ وہ خاتون واپس چلی گئی۔ مجبور ہو کر تیسری دفعہ پھر اس کے پاس گئی، تو تیسری دفعہ بھی وہی شرط رکھی۔

اس خاتون نے کہا:

میں حاضر ہوں لیکن میری ایک شرط ہے کہ مجھے اس جگہ پر لے جاؤ جہاں ہمیں دیکھنے والا کوئی نہ ہو۔ وہ اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں پر ان دونوں کے علاوہ تیسرا کوئی نہ تھا۔ وہ کمینہ شخص جب اس عورت کے قریب ہونے لگا تو عورت تھر تھر کانپنے لگی۔

اس شخص نے کہا: کانپ کیوں رہی ہو؟

خاتون نے جواب دیا: اس لئے کہ تو نے اپنے وعدہ کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔

اس مرد نے کہا: یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔

اس عقیفہ خاتون نے کہا: اے بد بخت انسان! یہاں پر خدا تو موجود ہے۔ دو فرشتے رقیب

و عتید ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ وہ شخص ڈر گیا۔ دل سے جو بات نکلے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

اس خاتون نے کہا: جس طرح تو نے مجھے چھوڑ دیا ہے خدا دنیا اور آخرت میں تمہیں

آتش سے نجات دے۔

نقل کرتے ہیں: اس کے بعد دنیا کی آگ اسے بالکل نہیں جلاتی تھی، حتیٰ آگ سے سرخ شدہ لوہے کو ہاتھ میں پکڑ لیتا تھا۔

آپ تمام دوستوں سے گزارش کرتا ہوں کہ جب بھی آپ گھر سے باہر قدم رکھیں تو اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائیں جس کا ذکر علامہ طباطبائی نے کیا:

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ. (بقرہ، آیت: ۱۵۳)
 ”پس تم مجھے یاد کرو میں تجھے نہیں بھولوں گا۔ ہمیشہ میرا دست شفقت و عنایت تمہارے سر پر ہے۔“

اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى.

”کیا وہ نہیں جانتا ہے کہ خدا دیکھ رہا ہے۔“

پس خدا ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمیں محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں ہماری بد اعمالیوں کی وجہ سے غضب خدا جوش میں نہ آ جائے۔

کیا قانون سب کے لئے ہے؟

قانون پر تیسرا اعتراض یہ ہے: یہ سب کے لئے نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر برے لوگوں کی حکمرانی ہو تو وہ اپنی ذات کے لئے کسی قانون کو اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ عام طور پر قانون صرف عوام کے لئے ہوتا ہے۔ ظالم و جابر حکمران اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ معاویہ بن سفیان کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

اس نے عبدالملک بن مروان کو شہر کوفہ کا حاکم اور گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ وہاں ہر شخص مالی اعتبار سے دیوالیہ ہو گیا تھا۔ اس کی بیوی وفادار خاتون تھی۔ اس کے ماں باپ نے کہا: اس سے طلاق لے لیں۔

اس عورت نے کہا: جب میرا شوہر مالدار تھا، اس وقت تو میں اس کے ساتھ تھی، لیکن

غربت میں میں اسے کیوں چھوڑوں؟

میں تمام والدین شے گذارش کرتا ہوں کہ میاں اور بیوی کی زندگی میں خواہ مخواہ ٹانگ نہ اڑائیں۔ انہیں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے۔ ان کے درمیان اختلاف کی 50% وجہ والدین کی مداخلت ہوتی ہے۔ جب ان کی زندگی اچھی گذر رہی ہے تو تمہارے اندر کیوں حسد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں۔

اس لڑی کے والدین نے ان کے درمیان اختلافات ڈال دیئے۔ لڑکی کا باپ امام حسین علیہ السلام کی خدمات میں حاضر ہوا۔ تو امام علیہ السلام اس پر بہت غضبناک ہوئے اور فرمایا: سنا ہے تو اور تیری بیوی نے ان کے درمیان اختلاف ڈالا ہے۔ یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ تم دونوں نے ان کا مثلہ کیا ہے۔ ان کی شخصیت کو تباہ کر دیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ڈالنے کا گناہ انسان کو قتل کرنے کے برابر ہے۔

آہستہ آہستہ یہ معاملہ حاکم شہر عبدالملک بن مروان تک پہنچ گیا۔ جب والدین اور لڑکے لڑکی کو اس کے سامنے لایا گیا۔ لڑکی چونکہ خوبصورت تھی، اسے دیکھتے ہی وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ خدا نہ کرے کہ غریزہ جنسی کسی کو اپنے کنٹرول میں لے لے۔ اس شخص نے حرم سرا بنائی ہوئی تھی جس میں خوبصورت ترین عورتوں کو اکٹھا کرتا تھا۔

حاکم کوفہ اس لڑکی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: یہ مرد تیرے کسی کام کا نہیں ہے لہذا تو اس سے طلاق لے لے۔

اس لڑکی نے کہا: میں ہرگز طلاق نہیں لوں گی۔

پھر اس مرد پر زور ڈالا کہ اس عورت کو طلاق دے دے۔ لڑکے نے انکار کیا۔ آخر کار زبردستی طلاق دلوا کر لڑکے کو زندان میں بند کر دیا اور اس عورت کو اپنے حرم سرا میں داخل کر دیا۔ یہ شخص جب زندان سے رہا ہوا تو پیدل معاویہ بن سفیان کے پاس گیا اور شکایت کی کہ حاکم کوفہ نے یہ ظلم کیا ہے۔ معاویہ نے اپنا اپیلی بھیجا اور حکم دیا کہ عبدالملک بن مروان،

میاں بیوی اور لڑکی کے والدین کو یہاں لایا جائے۔ جب انہیں معاویہ کے سامنے حاضر کیا گیا تو نظر پڑتے ہی اس کے حسن کا شکار ہو گیا اور پاؤں سے اکھڑ گیا۔

اس نے لڑکے سے کہا: اس عورت کو طلاق دے دے۔ لڑکے نے انکار کر دیا۔

معاویہ لڑکی سے کہتا ہے: کیا تو خلیفہ کو اس شان و شوکت کے ساتھ چاہتی ہے یا حاکم کوفہ کو یا اس غریب اور فقیر شخص کو جسے چاہتی ہو منتخب کر لو؟ اس شخص نے معاویہ کے سامنے خدا کے حضور استدعا کی کہ خدایا حاکم شہر کی شکایت کے کر خلیفہ وقت کے پس آیا تھا۔ اب خلیفہ کی شکایت کس سے کروں؟

اس لڑکی نے معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ اشعار کہے: جن کا ترجمہ یہ ہے: میں اپنے شوہر کے سر کا بال تک خلیفہ وقت کو نہ دوں گی اور نہ حاکم شہر کو اور نہ ہی اپنے والدین کو۔ میں خلیفہ کے محلات اور حاکم کوفہ کی شان و شوکت کو اپنے شوہر کے سر کے ایک بال پر قربان کرتی ہوں۔ آخر کار اسی فصاحت و بلاغت کے بل بوتے پر اپنے شوہر کو بچانے میں کامیاب ہو گئی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر حکمران برے ہوں، اخلاقیات سے بے بہرہ ہوں تو قانون انہیں کیسے روک سکتا ہے؟؟؟

قانون اور غضب

قانون پر چوتھا اشکال یہ ہے کہ انسانی مشکلات کا مکمل حل نہیں ہے، کیونکہ جب کوئی غریزہ انسان کے اندر سمندری لہروں کی طرح طغیانی کرتا ہے تو اس وقت انسان ہر چیز کو پاؤں تلے روند دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی جان اور ناموس کی بھی پرواہ نہیں رہتی ہے، لہذا قرآن میں ارشاد قدرت ہے:

وَإِذَا قَالُوا لِلَّهِمَّ إِنَّ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا

حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ تِنَّا لَعَذَابُ الْيَمِّ. (انفال، آیت: ۳۲)

”اور اس وقت کو یاد کرو جب انہوں نے کہا: خدایا! اگر یہ تیری طرف سے حق

ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا عذاب الہی نازل کر دے۔“

اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت کا اعلان فرمایا! تو ایک عرب آگے بڑھا۔

اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کام تم نے اپنی مرضی سے انجام دیا ہے یا حکم خدا سے؟ اگر تم نے خود انجام دیا ہے تو میں اسے قبول نہیں کرتا اور اگر خدا کی طرف سے ہے تو میں اسے دیکھ نہیں رہا ہوں، لہذا خدا سے کہو کہ آسمان سے میرے اوپر پتھر پھینکے، پس خدا نہ کرے کہ انسان غضب ناک ہو جب غضب ناک ہوتا ہے تو پاگل و دیوانہ ہو جاتا ہے۔

إِيَّاكَ وَالْغَضَبُ فَإِنَّ أَوَّلَهُ جُنُونٌ وَآخِرُهُ نَدَمٌ.

”خبردار غضب سے پرہیز کریں، کیونکہ اس کی ابتداء دیوانگی ہے اور اس کی

آخر پشیمانی و ندامت ہے۔“

بعض اوقات انسان غصے میں آ کر اپنے تحت کفیل افراد کی زندگیاں حرام کر دیتا ہے۔

جھگڑا لو انسان کا کوئی دوست نہیں بنتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ انسان خدا کا دامن چھوڑ دے۔ بے حیا شخص کسی کی عزت و آبرو کا خیال نہیں رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کون سی چیز غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ کیا عقل انسان کو مالک اشتر بنا سکتی ہے؟

مالک اشتر کے بارے میں نقل کرتے ہیں: یہ چھ ہزار لشکر کے ہمراہ کوفہ یا بصرہ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ لشکر کو شہر سے باہر اتارا اور خود شہر میں داخل ہو گیا۔ وہاں پر ایک بچی کو گریہ کرتے ہوئے دیکھا تو آپ کا دل پیچ گیا۔ بچی کے سر پر دست شفقت رکھا اور اس سے پوچھا: عزیزم کیوں رورہی ہو؟

اس نے کہا: اس شخص نے مجھ سے پیسے چھین لئے ہیں، اب واپس نہیں کر رہا ہے۔

آپ نے اس کافر شخص کو سلام کیا اور کہا:

پتہ چل رہا ہے کہ یہ بچی سچ بول رہی ہے۔ فرض کریں اگر سچ نہ بھی بول رہی ہو تو تمہیں اس پر مہربانی کرنی چاہیے۔ اسے اس کی رقم واپس کر دیتا کہ یہ اپنے گھر جائے۔ یہ کافر شخص کاروبار میں مصروف تھا اس نے مالک اشتر کی شان میں گستاخی کی، لیکن آپ نے اپنی بات کا تکرار کیا۔

اور کہا: اس کے پیسے واپس کراؤ۔

اس شخص نے کوئی پرواہ نہ کی۔

پھر آپ نے امیر المومنین علیہ السلام کا ایک فرمان سنایا، لیکن اس نے کوئی اہمیت نہ دی اور مالک اشتر پر جھپٹ پڑا۔ آپ کے سینے پر زور سے مارتے ہوئے کہتا ہے: مجھے کام کرنے دو، کیوں پریشان کر رہے ہو۔ اچانک اس نے مالک اشتر کو پہچان لیا۔

مالک اشتر نے فرمایا:

اس بچی کو راضی کرو، میں تم سے راضی ہوں۔ پس جس چیز نے دل میں تلاطم برپا کیا وہ اس بچی کی آہ و فریاد تھی۔

مالک اشتر ہی کا ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں: آپ بازار سے گذر رہے تھیکہ وہاں پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جو ایسا کام کرنا چاہتا تھا جس سے لوگ ہنس پڑیں۔ اس نے کچھڑ اٹھا کر آپ کی عبا پر پھینکا لیکن آپ کوئی پرواہ کئے بغیر آگے گذر گئے۔ اور سیدھے مسجد میں چلے گئے۔ بعد میں جب اسے معلوم ہوا کہ یہ مالک اشتر تھے ان کے پیچھے مسجد میں گیا۔ آپ مصروف عبادت تھے، اس نے انتظار کیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص معذرت کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

اس نے کہا: میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کی شان میں جسارت کی ہے اور آپ کے اوپر کچھڑ پھینکا ہے۔

آپ نے فرمایا:

میں ناراض نہیں ہوں، کیونکہ تم نے ایک مسلمان کی توہین کی ہے اور مسلمان کی اہانت کرنے والا شخص گویا خدا کے ساتھ حالت جنگ میں ہے۔

روایت میں ہے۔

مَنْ أَهَانَ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَنِي بِالْمُحَارَبَةِ.

”جو شخص ایک مسلمان کی توہین کرتا ہے اس کا گناہ خدا سے جنگ کرنے کے برابر ہے۔“

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اس روایت میں ولی سے مراد شیعہ ہونا ہے۔ اس میں فرق نہیں ہے کہ وہ شیعہ عادل

ہو یا فاسق، نیک ہو یا بدکار۔

مالک اشتر اس شخص سے فرماتے ہیں:

میں نے خیال کیا کہ تو نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے، لہذا سیدھا مسجد میں آیا

ہوں تاکہ نماز ادا کرنے کے بعد خدا کے حضور دعا کروں کہ پروردگار ہم دونوں کے گناہ بخش

دے۔

وَالْيَعْفُوا وَالْيَصْفَحُوا لَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ. (سورہ نور، آیت: ۴۲)

”ہر ایک کو معاف کرنا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ

خدا تمہارے گناہ بخش دے؟“

یعنی اگر چاہتے ہو کہ روز قیامت خدا تمہیں معاف کر دے تو دنیا میں درگزر کرو۔ اس

آیت کریمہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں عفو و درگزر سے کام نہیں لیتے ہیں۔

روز قیامت خدا انہیں معاف نہیں فرمائے گا۔ بد قسمت ہے وہ شخص جسے خدا معاف نہ کرے۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ روز قیامت خدا کی عفو و رحمت کے بغیر بہشت میں چلا جائے؟

حتیٰ کہ انبیاء بھی خدا کی رحمت اور عفو و درگزر کی وجہ سے جنت میں جائیں گے، حالانکہ یہ خود روز جزاء اپنی امت کی شفاعت کرنے والے ہوں گے۔ کیا ہمارے اعمال ہمیں جنت میں لے جاسکتے ہیں؟

کسی بزرگ نے کتنا اچھا جملہ ارشاد فرمایا ہے:

آئیں پہلے اپنی عبادت کے بارے میں توجہ کریں، کیونکہ عبادت کے زور پر کوئی بھی جہنم میں نہیں جاسکتا ہے بلکہ بہشت جانے کے لئے عفو و گذشت کی ضرورت ہے۔

ثواب و گناہ کو حقیر نہ سمجھیں

کتاب کافی میں امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا: کسی بھی گناہ کو چھوٹا اور حقیر مت خیال کریں، کیونکہ ممکن ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ غضب خدا کا موجب بن جائے اور اس وقت انسان کو خطاب ہو کہ تیرے اس چھوٹے سے گناہ کی بدولت میں نے اپنا دست شفقت تیرے سر سے اٹھا لیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: کسی بھی ثواب کو حقیر اور چھوٹا نہ سمجھو کیونکہ ممکن ہے یہی چھوٹا سا ثواب کسی کا دل جیتنے کا موجب بنے اور اسی ثواب اور اچھے عمل کے باعث رحمت پروردگار جوش میں آجائے۔ اور کہے: ”اے انسان! میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے لہذا میرا دست شفقت تیرے سر پر ہے۔“

مرحوم سید رضی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت طولانی عمر پائی ہے۔ میرے استاد مرحوم آیت اللہ بروجردی کے بقول آپ ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عابد بھی تھے۔ انہوں نے اسلام میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ان کی باقیات صالحات میں سے ایک مسجد بنام سید موجود ہے جو حال مسجد اور مدرسہ بھی ہے۔

انہوں نے فرمایا تھا:

خدا کا یہ لطف جو میرے اوپر ہوا ہے یہ ایک کتے کی مرہون منت ہے۔

انہوں نے فرمایا:

ایک وقت ایسا آیا کہ کچھ دن میری مالی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ میں نے کسی سے کچھ قرض اٹھایا تا کہ خوراک مہیا کر سکوں۔ کھانے کے لئے غذا لے کر واپس آ رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ کتے کے کچھ بچے اپنی ماں کے پستان کو چمٹے ہوئے ہیں، لیکن ان میں دودھ نہیں ہے، لہذا میرے دل میں رحم آیا وہ غذا میں نے کتیا کو ڈال دی۔ اسی دن سے میری حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی۔ میرے دل میں نورانیت پیدا ہو گئی۔ میرے فہم و شعور میں بہت فرق آ گیا۔ اس واقعہ کو صرف چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک شخص نے آ کر اطلاع دی کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے۔ اس نے وصیت کی ہے کہ میرے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ آپ کو دیا جائے۔ وہ زیادہ رقم بنتی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کتیا کی بدولت میں مالدار بن گیا ہوں۔ آپ مرجع تھے اور علمی لحاظ سے مضبوط تھے۔ آپ نے اتنی زیادہ مصروفیات کے باوجود علم فقہ کا مکمل دورہ لکھا۔

آپ کا مرتبہ اس قدر بلند ہوا کہ ایک گداگر ناصر الدین شاہ کے بیٹے کے گھر مانگنے گیا تو وہ غصے میں آ کر کہتا ہے:

یہاں کیوں آئے ہو؟

اگر دولت چاہتے ہو تو سید کی مسجد میں جائیں، اگر تمہیں علم و قدرت کی ضرورت ہے تو پھر بھی مسجد سید میں جائیں۔

سید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

یہ سب مجھے اس کتیا کی مدد کرنے کے عوض میں ملا ہے۔

پس اسی وجہ سے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کسی بھی گناہ یا ثواب کو حقیر اور

چھوٹا نہ سمجھو۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ عقل و وجدان اخلاقی کی نسبت قانون پر اشکالات زیادہ ہیں، لہذا قانون بشری مشکلات کا حل نہیں ہے۔ انسان کے لئے قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر بشر صحیح معنوں میں انسان بن جائے تو تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں پس۔ جو چیز بشر کو انسان بنا سکتی ہے وہ آیہ کریمہ اَلَمْ يَعْلَمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يَرٰى پَر عمل پیرا ہونا ہے۔



باب هشتم



نظارت ملی یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

غرائز و تمایلات انسان کو کنٹرول کرنے والے عوامل میں سے ایک عامل نظارت ملی ہے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکرات ہے۔ اگر معاشرے میں اس پر عمل کیا جائے تو انسان غرائز کنٹرول کر سکتے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکرات اسلامی واجبات میں سے ایک عظیم واجب امر ہے۔ قرآن و سنت میں اسے بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ امت اسلام اس لئے بہترین امت ہے کیونکہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پایا جاتا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

الْمُنْكَرِ. (آل عمران، آیت: ۱۱۰)

”تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لئے منظر عام پر لایا گیا ہے، تم لوگوں کو

نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔“

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَتَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (سورہ توبہ، آیت: ۷۱)

”مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو نیکوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔“

پس مسلمان ایک دوسرے کے دوست ہیں کیونکہ یہ آپس میں امر بالمعروف اور نہی از منکر کرتے ہیں۔ جو شخص امر بالمعروف و نہی از منکر انجام نہیں دیتا وہ بہت بڑا گناہ گار ہے۔ امیر المومنین نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

إِذَا تَرِكَ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ مَسَلَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
شَرَارَهُمْ وَيَدْعُونَ خِيَارَهُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ.

”اگر امر بالمعروف و نہی از منکر کو ترک کیا جائے تو اللہ اچھے لوگوں پر برے لوگوں کو مسلط کر دیتا ہے۔ اچھے لوگ دعا کرتے ہیں، لیکن ان کی دعا مستجاب نہیں ہوتی ہے۔“

مختلف روایات میں وارد ہوا ہے کہ دعا مستجاب نہ ہونے کی ایک وجہ امر بالمعروف و نہی از منکر کو ترک کرنا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہو رہا ہے:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (سورہ والعصر)

”عصر کی قسم یقیناً تمام لوگ دنیا و آخرت میں خسارے میں ہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور ایمان کے مطابق عمل کیا اور دوسرے وہ لوگ جنہوں نے امر بالمعروف اور نہی از منکر کیا۔“

یہ سورہ مجیدہ مسلمانوں کے نزدیک اس قدر فضیلت و اہمیت کی مالک ہے کہ جب آپس میں ملاقات کرتے تھے تو اسلام عرض کرنے کے بعد اسی سورت کو تلاوت کرتے تھے۔

ایک یہ پڑھا کرتا تھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ جب کہ دوسرا جواب میں دوسرا حصہ پڑھا کرتا تھا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ یعنی یہ سورہ مبارکہ یہ فرما رہی ہے کہ سعادت و خوش بختی کی طرف پرواز کرنے کے لئے دو پروں کی ضرورت ہے۔ ایک پر عمل جب کہ دوسرا امر بالمعروف و نہی از منکر ہے۔ جب تک انسان میں یہ دونوں چیزیں پائی جائیں تو وہ ایک پرندہ ہے جس کے بال و پر نہ ہوں۔ بلی بڑی آسانی سے اسے ہڑپ کر سکتی ہے یا اگر ایک پروالا پرندہ ہو یعنی صرف نیک عمل انجام دے تو سعادت حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

بقول امیر المومنین اسے بلی کھا جائے گی۔

پس امر بالمعروف و نہی از منکرات کے بارے میں قرآن اور روایات معصومین علیہم السلام میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

امر بالمعروف و نہی از منکر کے مراتب

امر بالمعروف و نہی از منکرات کے کئی مراتب ہیں۔ اس کا اہم ترین مرتبہ یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی واجب کام کو انجام دینے میں کوتاہی کر رہا ہے تو اسے تذکر دیں اسے ترغیب دلائیں اور اگر کوئی گناہ انجام دے رہا ہے تو اسے پیار اور نرمی سے منع کریں۔

قرآن میں ارشاد ہو رہا ہے:

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لِّیْنَا لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ

یُنْخَشِیْ۔ (سورہ طہ، آیت: ۴۳، ۴۴)

”تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے، اس سے نرمی سے

بات کرنا کہ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خوفزدہ ہو جائے۔

یہ آیت کریمہ فرما رہی ہے کہ پیش رفت اس وقت ہو سکتی ہے جب انسان اپنے

اعصاب پر مسلط ہوا اور نرم لہجے سے بات کرے۔ خدا چاہتا ہے کہ فرعون انسان بن جائے لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا ہے کہ آپ دونوں بھائی جائیں اور فرعون کے ساتھ نرم اور پیار بھرے لہجے میں بات کریں، شاید وہ راہ راست پر آجائے۔ والدین سے گزارش کروں گا کہ اپنے گھروں میں امر بالمعروف و نہی از منکر کرتے رہیں لیکن اعصاب پر کنٹرول رکھیں۔ نرمی سے بات کریں دلیل سے قائل کرنے کی کوشش کریں۔ داد و فریاد، دھونس دھاندلی سے پرہیز کریں کیونکہ اس چیز کا نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔

قرآن مجید میں ہمارے لئے نمونہ پیش کیا گیا ہے:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ. (سورہ لقمان، آیت: ۱۳)

”لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے لیکن بطور موعظہ اس سے بات کرتا ہے کہ اے عزیز! مشرک نہ بنو، کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“

اس آیت میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ استدلال کے ساتھ ساتھ گفتگو کا انداز بھی بیان کیا گیا ہے۔

امر بالمعروف و نہی از منکرات کا دوسرا مرتبہ اور مرحلہ مبارزہ منفی ہے، البتہ اس کی باری اس صورت میں آتی ہے جب مثبت مبارزہ ناکام ہو جائے۔

منفی مبارزہ یہ ہے کہ ترک تعلقات کرے، اظہار ناراضگی کرے یا لا پرواہی برتے۔ یہ ساری چیزیں منفی مبارزہ کے ضمن میں آتی ہیں۔

جنگ تبوک کا واقعہ ہے کہ دو تین شخص جنگ میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ جب جنگ سے واپس لوٹے تو وہ تینوں افراد کمال بے شرمی سے رسول اکرمؐ کے استقبال کے لئے آئے تو رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ان کے ساتھ کوئی بھی بات چیت نہ

کرے۔ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر سلام کیا: پیغمبر اکرمؐ نے انہیں سلام کا جواب دیا لیکن اور کوئی بات نہ کی اور نہ ہی دوسرے افراد نے ان سے کوئی بات چیت کی۔

اصحاب نے اپنے گھروں میں جا کر مطلع کیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے فلاں فلاں شخص کے ساتھ بائیکاٹ کا حکم دیا ہے۔ سب لوگوں نے جب ان کے ساتھ بول چال اور لین دین ختم کر دیا تو ان کے لئے اس شہر میں زندگی گزارنا دو بھر ہو گیا۔ انہوں نے صحراء و بیابان کا رخ کیا وہاں جا کر گریہ و زاری کرتے رہے۔ جب ان کی توبہ قبول ہو گئی تو رسول خداؐ نے انہیں پیغام بھیجا کہ واپس آ جائیں۔ جب وہ واپس لوٹ آئے تو آیہ کریمہ نازل ہوئی:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ. (سورہ توبہ، آیت: ۱۱۸)

”اور اللہ نے ان تینوں پر بھی رحم کیا جو جہاد سے پیچھے رہ گئے، یہاں تک کہ زمین جب وسعتوں سمیت ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جان پر بن گئی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔“

پس گناہ گار شخص سے بے اعتنائی برتنا، اس کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آنا اور اس کے ساتھ مبارزہ منفی کرنا انتہائی موثر ہوتا ہے، لہذا روایات میں آیا ہے کہ شراب خوار شخص کو نہ رشتہ دیں اور نہ ہی اس سے لیں یا سود خوار شخص کے ساتھ معاشی و سماجی بائیکاٹ کر دیں، مثلاً بازار میں ایک دکاندار سود خوار ہے اگر تمام بازار والے اس کے ساتھ اپنے معاملات ختم کریں اس سے کوئی چیز نہ خریدیں اور نہ اسے بچیں تھوڑی ہی مدت میں اس کی دکان بند ہو جائے گی۔ یا مثلاً گناہ گار شخص کے ساتھ ہر قسم کا بائیکاٹ کریں تو وہ خود بخود گناہ کرنے سے باز آ جائے گا۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے خطاب ہوا کہ اے شعیب! تیری امت میں سے ایک لاکھ افراد کو ہلاک کرتا ہوں، ان میں سے چالیس ہزار افراد برے ہیں اور ساٹھ ہزار اچھے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

اے خدایا! میرے لوگ اپنے گناہ کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔ اچھے لوگوں کو ان کے ساتھ کیوں سزا دی جا رہی ہے؟

خطاب ہوا کہ برے لوگ تو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہوں گے جب کہ اچھے لوگ اس وجہ سے ہلاک کئے جائیں گے کہ جب وہ گناہ کرتے تھے یہ خاموش تماشائی بنے رہتے تھے۔

امر بالمعروف اور نہی از منکر میں دو مسئلے مہم ہیں، اگر ان پر عمل کریں تو انسان کنٹرول ہو سکتا ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے فرمایا تھا:

كُونُوا دُعَاةَ لِلنَّاسِ بِغَيْرِ السَّنَتِكُمْ.

اپنے اعمال کے ذریعے لوگوں کی تربیت کریں۔ اگر ایک شخص گھر میں مودب زبان استعمال کرتا ہے یا ایک عورت اپنے شوہر کے سامنے متواضع ہے، اچھی طرح سے گھر میں اس کی خدمت کرتی ہے۔ یہ چیز لاشعوری طور پر ان کے بچوں پر اثر انداز ہوگی۔ ماں باپ کا کردار اولاد پر بہت موثر ہوتا ہے۔

آپ تمام حضرات کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اپنے کردار کے ذریعے گھر کے افراد کو مسلمان بنائیں۔ گھر میں خود مسلمان بن کر رہتا کہ تمہاری بیوی اور بچے لاشعوری طور پر صحیح مسلمان بن سکیں۔ مثلاً آپ اپنی بیوی کے ساتھ بازار میں جا رہے ہیں اگر نا محرم کی طرف نگاہ نہیں اٹھائیں گے، حرمت اسلام پائمال نہیں کریں گے تو آپ کی یہ روش، آپ کا یہ طریقہ کار نا محسوس طور پر آپ کی بیوی پر مثبت اثر چھوڑے گا۔ آپ کی بیوی خیانت نہیں کرے گی۔

غیبت

امر بالمعروف اور نہی از منکر کا پہلا اور مہم ترین مرحلہ غیبت سے بچنا ہے، کیونکہ غیبت کی وجہ سے انسان کی اصلیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ کتے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اگر تو بہ نہ کرے تو یہ انسان کتے کی شکل میں ہی دوزخ میں جائے گا۔ اسے جہنم میں غذا کی ضرورت ہو گی۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں: جہنم میں اس کی غذا غیبت ہو گی۔ غیبت گلے سڑے بدبودار گوشت کی صورت میں اسے پیش کی جائے گی۔ یہ جہنمیوں کے درمیان اسے اس طرح کھائے گا جیسے کتا مردار کھاتا ہے۔

میں نے اپنے دو بزرگوار استادوں علامہ مرحوم طباطبائی اور حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تیس سال زندگی گزاری ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان دونوں بزرگوں سے کوئی ایسی بات نہیں سنی ہے جس میں غیبت کا شبھ پایا جاتا ہو۔

ایک دفعہ رہبر عظیم الشان انقلاب مسجد سلما سی میں درس پڑھانے آئے تو آپ کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ فرمایا: خدا کی قسم! آج تک اتنا خوف زدہ نہیں ہوا ہوں جتنا آج ہوا ہوں۔ آج میں درس پڑھانے نہیں آیا ہوں، بلکہ تھوڑی دیر کے لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آقا مظاہری فرماتے ہیں:

۱۰ سال سے ان کے درس میں شرکت کرتا رہا ہوں۔ میں نے آج تک انہیں کسی طالب علم کی شان میں جسارت کرتے ہوئے نہیں سنا۔ لیکن اس دن فرمایا:

اگر تم صاحب علم و عقل نہیں ہو، اگر دین سے خالی ہو، ہوش کے ناخن لو، ایسا کام نہ کرو جس سے تمہاری انسانی ہویت تبدیل ہو جائے۔

اس کے بعد وہاں سے گھر تشریف لے گئے اور انہیں بخار ہو گیا۔ اس وجہ سے دو تین

دن تک گھر سے نہ نکل سکے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟

انہوں نے سنا کہ ایک طالب علم نے ایک مرجع کی غیبت کی تھی۔ انہوں نے خود غیبت نہیں کی تھی، صرف سنا تھا کہ ایک طالب علم نے غیبت کی ہے، لیکن انہیں یہ سن کر بخار ہو گیا تھا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ غیبت کس قدر قبیح فعل ہے۔

پس ہمیں غیبت سے بچنا چاہیے۔ ہم کیوں حسن ظن سے کام نہیں لیتے ہیں کیوں سوء ظن کا شکار ہوتے ہیں؟ کیوں مثبت فکر نہیں کرتے ہیں؟ کیوں منفی سوچتے ہیں؟ اگر تم منبر پر مجھ میں کوئی غیبت دیکھتے ہو، یا میرے سامنے آ کر اہانت کے انداز میں مجھے بتاتے ہو تو یہ بھی غیبت ہے۔

اس بارے میں بہت سی روایات ہیں:

مرحوم ثقہ الاسلام کلینی نقل کرتے ہیں:

مَنْ آيَرَ مُؤْمِنًا وَلَوْ فِي مَعْصِيَةِ ابْتِلَاءِ اللَّهِ بِهِ.

”یعنی اگر تم کسی کو اس کے غلط کار کی وجہ سے سرزنش کرتے ہو تو اسی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔“

یہ بات تجربے سے بھی ثابت ہو چکی ہے۔ لہذا قرآن دونوں کو حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَيُلِّ بِكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ. (سورہ ہمزہ، آیت:)

”ہر طعنہ زن اور چغل خور کے لئے تباہی و بربادی ہے۔“

لہذا وہ لوگ جو انتقاد کے نام پر غیبت کرتے ہیں یا تہمت لگاتے ہیں یا کسی کے بارے میں شہرت کرتے ہیں وہ شیطان کے چیلے ہیں۔ انہیں شیطان نے مہار کیا ہوا ہے۔ اس مہار کو توڑنا ہوگا۔

مدارس علمیہ کی تشکیل

امر بالمعروف اور نہی از منکر کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ مدارس علمیہ کی تعمیر کریں اور انہیں چلائیں۔ قرآن نے اس کے وجوب کے بارے میں شدید لحن استعمال کیا ہے۔

ارشاد قدرت ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (سورہ توبہ، آیت: ۱۲۲)

”صاحبان ایمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب کے سب جہاد کے لئے نکل پڑیں تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتی ہے کہ دین کا علم حاصل کریں اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔“

پس مدارس علمیہ کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کرنا قرآن کے نزدیک ایک واجب موکد امر بالمعروف اور نہی از منکر ہے۔ مدارس کا چلانا، ان کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کرنا واجب ہے۔ اس اعتبار سے اہل قم کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ میں تیس سال سے حوزہ علمیہ قم میں ہوں۔ اہل قم کا واقعاً اس عظیم اسلامی مرکز پر احسان ہے۔ اسی طرح حوزہ علمیہ کا اہل قم پر احسان ہے انہیں فخر کرنا چاہیے کہ یہ اس عظیم ترین اسلامی مرکز میں زندگی گزار رہے ہیں، یہ بات تو مسلم ہے کہ علمی مراکز و مدارس کے تمام اخراجات اور تجارت کاروباری حضرات کے توسط سے پورے ہو رہے ہیں۔ عام طور پر سہم امام یعنی خمس یہی لوگ ادا کرتے ہیں۔ پس سب پر واجب ہے کہ مرکز اسلامی اور مدارس علمیہ کو چلائیں۔ ہر ممکن مالی مدد کریں۔ اسی طرح تمام نوجوانوں پر واجب ہے کہ ان مراکز کی تعمیر و ترقی کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

اسلامی شعار کو زندہ کرنا

امر بالمعروف اور نہی از منکر کی تیسری قسم یہ ہے کہ اسلامی شعار کو زندہ رکھا جائے۔ وہ لوگ جو حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، انہوں نے سعودی عرب کی انجمن ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کی کارستانیوں مشاہدہ کی ہوں گی۔ یہ ایک ایسی تنظیم ہے جو بجائے اس کے کہ شعار کو زندہ رکھے، اس کے برعکس کام کر رہی ہے۔ جو شیعہ یا کسی دوسرے مکتب فکر کا مسلمان اگر رسول خدا کی ضریح مبارک کو بوسہ دینے کی کوشش کرے تو اسے مار پیٹ کر پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ عاشق و معشوق کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں، جو لوگ عاشق و معشوق کے درمیان جدائی ڈالتے ہیں روز قیامت ان کا کیا حشر ہوگا؟ اس گناہ کی انہیں کتنی بڑی سزا ملے گی۔

میں نے عرض کیا تھا: جو شخص میاں اور بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالتا ہے، ان کے درمیان فساد کا موجب بنتا ہے کہ اس نے ان دونوں کا مسئلہ کیا ہے، یعنی ان کی لاشوں کو پائمال کیا ہے۔ اس کا کام مسلمانوں اور ان کے رہبر و ہادی برحق کے درمیان تفرقہ ڈالنا ہے۔

قرآن امر بالمعروف اور نہی از منکر کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرما رہا ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (سورہ آل عمران، آیت: ۱۰۴)

”اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہیے جو خیر کی دعوت دے نیکیوں کا حکم

دے، اور برائیوں سے روکیں یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

یعنی ملت اسلامی کے اندر جس طرح سے تجارت، دکان دار، ملازم پیشہ اور زمیندار

حضرات ہیں یا علمی مراکز ہیں طالب علموں میں سے اسی طرح سے ایک گروہ کو امر بالمعروف

اور نہی از منکر کا فریضہ انجام دینا چاہیے۔

نظارت ملی

امر بالمعروف اور نہی از منکر سے مربوط بحث کی چوتھی قسم نظارت ملی ہے۔ یعنی ہم سب کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔ نماز کے وقت بازار بند ہونے چاہیں ایک دوسرے کو نماز کی دعوت دینی چاہیے۔ اگر کسی کو کوئی گناہ سرانجام دیتے ہوئے دیکھ رہا ہو، لا پرواہی نہ کریں بلکہ اسے منع کریں، کیونکہ گناہ آتش ہے آتش۔ اگر اپنے کسی دوست کے گھر میں لگے تو اسے جلا کر راکھ بنا دے گی۔ لہذا جس قدر حفاظت ہو سکتی ہے کرنی چاہیے۔ اگر روکنے کے باوجود کوئی گناہ سے باز نہیں آئے تو یہ فرض آپ سے ساقط ہو جائے گا۔

قرآن کی جب آیت کریمہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا. (سورہ تحریم، آیت: ۶)

”اے ایمان والو! اپنے نفس اور اہل کو اس آگ سے بچاؤ۔“

نازل ہوئی تو اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! کیا پہلے ہمارے اوپر تھوڑی ذمہ داری تھی کہ اب دوسروں کا بوجھ بھی ہمارے اوپر لا دیا گیا ہے۔

اس موقع پر رسول خدا نے فرمایا:

تمہارے اوپر صرف اتنا فرض ہے کہ تم انہیں ہدایت کرو، زبان سے روکو، اگر باز نہیں آتے تو پھر تمہاری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

کیا امر بالمعروف اور نہی از منکر انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے؟

سوال یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی از منکر اتنی زیادہ اہمیت رکھنے کے باوجود کیا انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس کا حال بھی دوسرے عوامل عقل، علم، وجدان اخلاقی اور قانون جیسا ہے۔ یعنی عادی حالات ہوں تو غرائز و تمایلات پر قابو پاسکتا ہے، لیکن اگر یہی غرائز و تمایلات طوفانی صورت اختیار کر جائیں تو پھر انہیں روکنا امر بالمعروف اور نہی از منکر کے بس کی بات نہیں

ہے۔ فقط ایمان ہی ایسی قوت ہے جو انسان کو ہر برائی سے روکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ انسان جب ظاہری طور پر اپنے آپ کو مقید کر لیتا ہے اور اپنے نفس کو پاکیزہ کر لیتا ہے تو اس وقت درخت ایمان دل میں پھوٹ کر شاخیں اور جڑیں مضبوط کرتا ہے اور علم الیقین (یقین کا پہلا درجہ) کی منزل پر فائز ہو جاتا ہے، جو انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے۔

مرحوم مرزا محمد تقی شیرازی المعروف مرزا کوچک ایک مضبوط علمی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی علمیت تمام کے نزدیک مسلم تھی۔ مرزا بزرگ مرزا حسن شیرازی کے بعد ان کا مرجع تقلید ہونا یقینی تھا۔

جب مرزا بزرگ جہان فانی کو الوداع کہہ کر جہان ابدی کی طرف سفر کر گئے تو مرزا کوچک کو ان کے ارتحال کی اطلاع دی گئی۔ انہیں خوشی کا احساس ہوا کہ ان کے بعد مرجعیت کا قلمدان میرے ہاتھ میں آ جائے گا۔ جب انہیں دل میں یہ خواہش محسوس ہوئی تو بہت ناراحت ہوئے اور رات سے لے کر صبح تک گریہ وزاری کرتے رہے۔

مرزا بزرگ کی نماز جنازہ انہوں نے پڑھائی تھی لیکن تشیع جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ لوگوں نے جنازہ زمین پر رکھا اور آپ کو بلانے گئے تو تہہ خانے میں بیٹھے ہوئے گریہ وزاری کرتے کرتے آپ کی آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔

ان کی خدمت میں عرض کیا گیا: چل کر نمازہ جنازہ پڑھائیں۔

آپ نے فرمایا: میں مرجع نہیں ہوں۔

لوگوں نے کہا: آقا لوگ بالکل تیار ہیں۔ آپ چل کر نمازہ جنازہ پڑھائیں۔

انہوں نے کہا: میں مرجع نہیں ہوں۔

میں نے امام زمانہ علیہ السلام کو ان کی ماں زہراء کے شکستہ پہلو کا واسطہ دیا ہے کہ یہ بار سنگین میرے کاندھوں پر نہ رکھیں، کیونکہ وہ قلب جو حب ریاست رکھتا ہے وہ اس منصب کے لائق نہیں ہو سکتا ہے۔ پس میں مرجع نہیں بنوں گا۔ لوگوں نے جس قدر اصرار کیا آپ نے اسی

قد رشدت سے انکار کیا۔ انہیں رسالہ علمیہ (توضیح المسائل) لکھنے کے لیکھا گیا آپ نے آخر عمر تک نہ لکھا۔

جب مرجعیت کا بار سنگین صاحب جواہر کے بعد مرحوم شیخ انصاری کے کاندھوں پر رکھا جانے لگا تو انہوں نے خیال کیا کہ یہ وزن وہ نہیں اٹھا سکتے ہیں۔
لہذا انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:

آپ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ میرے ایک ہم بحث تھے جو علمی لحاظ سے مجھ سے زیادہ مضبوط تھے۔ پس وہ مرجع ہیں، ان کی طرف رجوع کیا جائے۔ جب علماء اور طلباء نے زندان میں ان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا:

یہ بات درست ہے کہ میں اعلم تھا لیکن دس سال سے میں درس و بحث سے کٹا ہوا ہوں، جب کہ وہ اس وقت سے درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ ایک مسجد میں پیش نمازی کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ پس وہی اعلم ہیں، ان ہی کی طرف رجوع کیا جائے۔ غرض یہ کہ جو چیز شیخ انصاری جیسی شخصیت بناتی ہے وہ صرف قوت ایمانی ہے۔ یہی قوت ہے جو مرزا شیرازی کو کنٹرول کرتی ہے۔ یہاں تک کہ دل میں تھوڑی سی مرجعت کی خواہش ہوتی ہے تو اس قدر نفس کو ذلیل و خوار کیا کہ جس کی انتہا نہیں ہے۔ انہوں نے مرجعیت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس یہ قوت صرف ایمان قلبی کے اندر موجود ہے، جو تہذیب نفس کی وجہ سے انسان کے دل میں راسخ ہوتی ہے۔

روایات میں مذکور ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی جنگ پر تشریف لے جانا چاہتے تو کچھ افراد کو مدینہ منورہ میں گھروں کی حفاظت کے لئے چھوڑ جاتے۔

ایک دفعہ اس کام کے لئے ایک نوجوان کو بھی چھوڑ گئے تھے۔ ایک دن اس نے اپنے ایک دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی بیوی دروازے پر آئی۔

اس سے پوچھا:

اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو تمہارے لئے آؤں۔

جب اس عورت نے دروازہ کھولا تو یہ نوجوان اندر گھس گیا اور دست درازی کی۔ اپنا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا تو عورت تڑپ گئی۔
اور کہنے لگی:

النَّارُ النَّارُ تم کیا کر رہے ہو؟

عورت کا یہ آہ و پکار کرنا تھا کہ اس نوجوان نے اپنے آپ کو آگ کی لپیٹ میں دیکھا۔ دیوانوں کی طرح باہر کی طرف دوڑ پڑا اور فریاد کرنے لگا۔ النَّارُ النَّارُ آگ۔ آگ۔ پیغمبر اکرمؐ کو اطلاع دی گئی کہ فلاں نوجوان نے یہ گناہ کیا ہے۔ اب وہ بیابان میں زندگی گزار رہا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ سے خدا نے خطاب کیا کہ ہم نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اسے بیابان سے واپس لے آؤ۔ جب وہ شہر مدینہ میں واپس آیا تو رسول خداؐ نماز میں مصروف تھے۔ وہ صف میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ شرم محسوس کر رہا تھا کہ رسول خداؐ کے سامنے کونسا منہ لے کر جائے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں وہ شخص سر نیچے جھکائے ہوئے بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے سورہ تکوین کی تلاوت فرمائی:

الْهٰكُمْ التَّكَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمُقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ . ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ . ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ط . (سورہ التكاثر، آیت: ۸)

”بنام خدائے رحمان و رحیم۔ تمہیں باہمی مقابلہ کثرت اولاد نے غافل بنا دیا ہے یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کر لی ہے۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا اور پھر خوب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تمہیں یقینی علم ہو جاتا کہ تم جہنم کو ضرور دیکھو گے۔ پھر اسے اپنی آنکھوں سے لکھو گے، یقین کی

طرف دیکھو گے۔ پھر تم سے اس دن نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

وہ نوجوان یہ سورہ سن کر بے ہوش ہو گیا۔ جب اس کے پاس پہنچے تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔

وہ کون سی چیز ہے جس نے اس مرد اور عورت کے دل میں خوف خدا پیدا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایمان ہی کی قوت ہے جو انسان کو صحیح انسان بناتی ہے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ امر بالمعروف و نہی از منکر واجب و لازم ہے۔ سب پر اس کا انجام دینا واجب ہے۔ البتہ یہ بطور کلی غرائز کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ صرف اور صرف یہ قوت ایمان کے اندر موجود ہے۔



باب نہم

ایمان عقلی کا غرائز کو کنٹرول کرنے میں دخل



ایمان عقلی کیا ہے؟

چھٹا عامل جو انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے وہ ایمان عقلی ہے۔ یعنی انسان برہان اور علم کلام کے ذریعے وجود خدا، نبوت، امامت، قیامت، جنت اور جہنم کو ثابت کرے۔ اصول دین کو برہان اور دلیل کے ذریعے سمجھے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ عامل انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے، کیونکہ جب دلیل و برہان کے ذریعے یقین حاصل ہو جائے کہ جنت ہے، نیک لوگ اس میں جائیں گے۔ جہنم بھی موجود ہے، وہ برے اور بدکار لوگوں کا ٹھکانہ ہے، یا دلیل و برہان سے قائل ہو جائے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے، وہ حاضر و ناظر ہے۔ جب اس بات کا یقین ہو جائے تو انسان خود بخود کنٹرول ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی غریزہ طوفان برپا کرنا چاہے تو یہ اعتقاد اس کے لئے سد رہ بن سکتا ہے۔ لیکن اتنی اہمیت رکھنے کے باوجود یہ عامل بھی سرکش انسان کو کنٹرول نہیں کر سکتا ہے۔ تمام فقہاء اور مجتہدین کرام توضیح المسائل کی ابتداء میں لکھتے ہیں:

اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے۔ ہر کسی پر واجب ہے کہ اپنی لیاقت و وسعت کے مطابق اصول دین (توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت) کو ثابت کرے۔ حتیٰ صحراء نشین اور پہاڑوں میں زندگی گزارنے والوں پر بھی لازم ہے کہ اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کریں کہ خدا موجود ہے۔

مشہور روایت ہے کہ رسول خدا ایک جگہ سے گزر رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت چرخہ کات رہی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: تم کس دلیل کی بناء پر کہتی ہو کہ اس عالم میں خدا موجود ہے؟ یہ سن کر اس نے اپنا ہاتھ چرخے کی مٹھی سے اٹھایا تو چرخہ رک گیا۔

اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اتنا چھوٹا سا چرخہ میرے بغیر نہیں چل سکتا ہے تو یہ اتنی بڑی کائنات کسی مدیر و مدبر کے بغیر کیسے چل سکتی ہے؟ حتماً اس کو چلانے کے لئے کسی محرک مدبر کی ضرورت ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِدَيْنِ الْعَجَائِزِ.

”اس بوڑھی عورت کی دلیل کو یاد رکھو۔“

اگرچہ یہ دلیل ملا صدرا کے دلائل میں سے مہم ترین دلیل بنام دلیل حرکت ہے۔ اگر ہم اس دلیل کو فلسفہ کی وادی میں نہ بھی لے جائیں تو پھر بھی یہ عام لوگوں کے لئے کافی ہے۔ پس تمام فقہاء و مرجع لکھتے ہیں:

ہر کسی پر اپنی وسعت و لیاقت علمی کے مطابق اصول دین کو ثابت کرنا ضروری و لازم ہے۔ اس بارے میں (توحید مفصل) بہت اچھی کتاب ہے۔ اس کتاب میں ان مطالب کو بیان کیا گیا ہے جو امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی مفصل کو توحید کے بارے میں تعلیم دیتے تھے۔ اسی طرح زیارت جامعہ بھی بہت اچھی زیارت ہے۔ آپ تمام دوستوں سے گزارش کروں گا کہ ہر روز صبح کے وقت اسے پڑھا کریں۔

امام زمانہ علیہ السلام سے ہر روز صبح تو سل ہونا چاہیے۔ یہ کوئی عام زیارت نہیں ہے، بلکہ امام زمانہ علیہ السلام کی طرف سے تائید شدہ ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے:

نِعْمُ الزِّيَارَةُ هَذِهِ.

”یہ زیارت (جامعہ) بہت اچھی ہے۔“

یہاں پر مراد زیارت کی سند ہے۔ یعنی سند کے اعتبار سے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ میرے استاد بزرگوار امام خمینی فرماتے ہیں: اگر اس کی سند نہ بھی ہوتی تب بھی اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ امام معصوم کے علاوہ کوئی بھی ایسے مطالب کو الفاظ کے لئے حسین قالب میں نہیں ڈھال سکتا۔

توحید مفضل بہت اچھی کتاب ہے۔ اول سے آخر تک اسے پڑھنا چاہیے۔ وہ روایات جو شیخ بزرگوار علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں نقل فرمائی ہیں وہ بھی بہت اچھی ہیں لیکن ان سب سے بہتر قرآن مجید ہے۔ شاید اس میں ہزار سے زیادہ آیات ایک خاص سلیقہ سے اسلامی معارف کے بارے میں ہیں۔ فلاسفہ میں جملہ ملا صدرا کی تمام براہین جو کتاب اسفار میں ذکر ہوئی ہیں، انہیں قرآن نے بڑے آسان پیرائے میں بیان فرمایا ہے ہمیں صرف اس مقام پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کہ براہین و دلائل عقلی کے ذریعے اصول دین کو ثابت کریں اور ان پر اعتقاد رکھیں بلکہ ہم دوسروں کے معاملے میں انہیں جوابدہ ہیں یعنی اگر کسی نو جوان کا واسطہ کسی دین مخالف شخص کے ساتھ پڑتا ہے تو اس کے اشکالات کا قانع کنندہ جواب دینا چاہیے۔

قرآن مجید وجود خدا کو ثابت کرنے کے لئے بعض دفعہ اشارہ سے اور بعض اوقات تصریح سے دلائل و براہین کو بیان کرتا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

سُرِّيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَ أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

(سورہ فصلت، آیت: ۵۳)

”ہم عنقریب اپنی نشانیوں کو تمام اطراف عالم میں اور خود ان کے نفس کے

اندر دکھلائیں گے، تاکہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ برحق ہے۔“

سورہ ابراہیم میں ارشادِ قدرت ہو رہا ہے:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .

(ابراہیم، آیت: ۱۰)

”تو رسولوں نے کہا: کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے؟“

قرآن شریف نے انسان سے مربوط دو مطالب کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے کام لیا ہے۔ ایک انسان کی آواز اور دوسرا اس کی شکل و شبہت ہے۔ مثلاً اس وقت دنیا میں پانچ ارب لوگ زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ پوری دنیا چھان ماریں ہو، ہر ایک شکل کے دو انسان تلاش نہیں کر سکو گے۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک جتنے لوگ دنیا میں آچکے ہیں یا قیامت تک آئیں گے کوئی بھی کسی کا مشابہہ نہیں ہے حتیٰ جڑواں بچے صد در صد ایک دوسرے کے ہم شکل نہیں ہوتے ہیں۔ برہانِ نظم کا ایک مصداق ہے۔ کیا یہ اس بات پر محکم دلیل نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی حکیم مدبر موجود ہے جس کے حکم سے اس جہان کا نظام چل رہا ہے۔

قرآن فرما رہا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاختِلَافُ السِّنِّكُمْ
وَالْوَانِيتُكُمْ . (سورہ روم، آیت: ۲۲)

”اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا بھی اختلاف ہے۔“

لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَامَةِ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَلَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ . (سورہ قیامت، آیت: ۳، ۲، ۱)

”میں روزِ قیامت کی قسم کھاتا ہوں اور برائیوں پر ملامت کرنے والے نفس کی

حکم کھاتا ہوں کیا یہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے۔“

بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ نُسُورٍ بِنَالِهِ.

”یقیناً ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کی اگلیوں کے پور تک درست کر سکیں۔“

اس میں ایک مہم نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔

ماہرین انگشت نگار کہتے ہیں: کہ ہر انسان کی اگلیوں کی پوروں کی لکیریں دوسرے انسان کی لکیروں سے مختلف ہیں۔ پوری دنیا گھوم دیکھیں کہیں بھی دو شخص ایسے نہیں ملیں گے جن کی اگلیوں کی لکیریں ایک جیسی ہوں۔ اس وجہ سے کہتے ہیں دستخط کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہیں وہ جعلی ہو سکتے ہیں لیکن اگلیوں کے نشانات نقلی نہیں بنائے جاسکتے ہیں۔ اسی لئے مہم کاموں کے لئے دستخط نہیں کرواتے ہیں بلکہ انگوٹھے یا انگلی کے نشانات لگوائے جاتے ہیں۔ کیا یہ اس بات پر دلیل نہیں ہے۔ کہ کوئی مدبر و حکیم اس عالم پر حکم فرما ہے جس کی وجہ سے سارے جہانوں کا نظام کسی گڑبڑ کے بغیر چل رہا ہے۔ مخلوق اور خالق کا ایک دوسرے پر اس قدر انحصار ہے کہ اگر تھوڑی سی بھی ان میں کمی یا زیادتی واقع ہو جائے تو نظام ہستی تباہ و برباد ہو جائے گا۔

مثلاً: کرہ ارض میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے اندر سولہ حرکات ہیں۔ اس کی ایک حرکت سے دن اور رات وجود میں آتے ہیں۔ دوسری حرکت سے موسم آتے جاتے ہیں۔ اگر زمین کی یہی حرکت کم یا زیادہ ہو جائے تو گویا دو گاڑیوں کے درمیان ایک سیڈنٹ ہو جائے گا۔ جس سے پورے کا پورا نظام بگڑ جائے گا۔ زمین کی یہ حرکات برے حساب کتاب سے چل رہی ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ چند گاڑیاں ایک دوسرے کے پیچھے چل رہی ہوں اگر ایک بریک لگاتی ہے تو سب کا ایک سیڈنٹ ہو جائے گا۔ اگر ایک کرہ ارض کسی دوسرے کرہ

ارض سے تصادف کرتا ہے تو فضا میں بکھر کر پانی بن جائے گا۔ جس دن سے یہ عالم ہستی خلق ہوا ہے بڑے نظم و قانون کے ساتھ ہر چیز چل رہی ہے۔ آج تک ایک کرہ کی دوسرے کے ساتھ رگڑ تک نہیں لگی اور نہ کبھی لگے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ نظم و قانون ان چیزوں کے اندر کس نے پیدا کیا ہے؟ اتنی منظم طور پر حرکت ایجاد کرنے والا کون ہے؟ وہ صرف خدا کی ذات لازوال ہے جو اس پورے نظام پر حاکم ہے۔

ایمان عقلی اور سرکش انسان

ایک موحد اور خدا پرست شخص علم نجوم کا ماہر تھا۔ اس کا ایک دوست تھا جو خدا کا منکر تھا اسے جتنا بھی اس نے قائل کرنے کی کوشش کی وہ انکار کرتا رہا۔ میرے ایک ہم مباحثہ تھے۔ خدا انہیں طول عمر دے۔ میں نے آدھا گھنٹہ اس کے ساتھ بحث کی اس کے باوجود اس نے جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ ۱۰ منٹ اس کے ساتھ مغز ماری کی لیکن اس نے پھر بھی جواب نہ دیا۔ خدا نہ کرے کہ انسان ہر بات میں انکار کرنے کی عادت بنالے۔

بہر حال وہ موحد شخص چونکہ ستارہ شناس تھا۔ اسے شوق تھا اس نے اپنے کمرے میں ایک منظومہ شمسی بنایا ہوا تھا جو بجلی کی طاقت سے حرکت میں آتا تھا۔ جب وہ بجلی کا بٹن دباتا تو سارہ ”وگا“ حرکت میں آ جاتا اور منظومہ شمسی اس کے پیچھے چلنا شروع ہو جاتا۔ اسی طرح کرہ ارض میں حرکت وصفی شروع ہو جاتی اور یہ زمین اپنے گرد چکر کاٹنا شروع ہو جاتی اور ایک حرکت انتقامی خورشید کے گرد شروع ہو جاتی تھی۔

ایک دن منجم موحد نے اپنے ضدی اور ہٹ دھرم دوست کو دعوت دی، جب وہ آیا تو اسے اس کمرے میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد بڑے آرام سے بجلی کا بٹن دبایا کہ اس کے دوست کو پتہ نہ چل سکا وہ پورا نظام حرکت میں آ گیا۔ دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور سوال کیا کہ یہ

کس نے بنایا ہے۔؟

موحد شخص سر جھکائے کچھ لکھ رہا تھا۔ اسی حالت میں بڑی بے اعتنائی سے جواب دینا ہے کہ خود بخود ایسا ہونا شروع ہو گیا ہے۔

منکر خدا شخص کہتا ہے: مذاق نہ کرو، سچ سچ بتا یہ کس نے ایجاد کیا ہے؟

موحد شخص کہتا ہے: میں نے آپ سے کہا ہے کہ یہ تصادف ہے، خود بخود ایسا ہو گیا ہے۔

منکر خدا کہتا ہے: میں پاگل، دیوانہ نہیں ہوں۔ میرے ساتھ مذاق نہ کریں۔ بتاؤ یہ

کس نے بنایا ہے؟ موحد شخص نے سر بلند کرتے ہوئے کہا: یہ تو چند چھوٹے چھوٹے کرات

ہیں، تو اپنے آپ کو اس بات پر قائل نہیں کر سکا ہے کہ یہ خود بخود بن گئے ہیں۔ تو پھر تم کس

طرح سے کہہ سکتے ہو کہ عالم ہستی کا پورا نظام خود بخود بن گیا ہے اور خود بخود چل رہا ہے،

حالانکہ منظومہ شمسی پورے نظام ہستی کے مقابلے میں ریت کے ایک دانے یا دریا کے ایک

قطرے کے برابر ہے؟

بہر حال وہ ملحد شخص اس بات پر قانع نہ ہوا کہ یہ پورا نظام ہستی کسی مدبر و حکیم کے حکم

سے چل رہا ہے۔ قرآن حکیم ملا صدرا یا اس موحد شخص کی برہان نظم کو کتنے پیارے انداز میں

بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ

لِأُولِي الْأَلْبَابِ. (سورہ آل عمران، آیت: ۱۹۰)

”بے شک زمین و آسمان کی خلقت میں لیل و نہار کی آمد و رفت میں صاحبان

عقل کے لئے قدرت خدا کی نشانیاں ہیں۔“

زمین و آسمان کی تخلیق اور جس منظم طریقے سے یہ حرکت میں ہیں یہ اس بات پر واضح

وروشن دلیل ہے کہ ضرور کوئی حکیم، عالم اور مدبر ہے جس کے حکم سے پورا نظام چل رہا ہے۔

اعجاز قرآن

قرآن مجید فرماتا ہے اصول دین کو برہان و دلیل سے ثابت کرنا لازم ہے ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کو کس طرح ثابت کرنا ہے۔ قرآن کے معجزہ ہونے کو کس طرح سے ثابت کرنا ہے۔

قرآن کہتا ہے: کہ میں ایک معجزہ ہوں اور اپنے معجزہ ہونے کو ثابت بھی خود ہی کر رہا ہے۔ کہ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ کوئی میری طرح کی ایک سورت یا آیت لے آئے۔ ارشاد ہے:

قُلْ لِّسِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ
لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ. (سورہ اسراء، آیت: ۸۸)

”آپ کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے، چاہے سب ایک دوسرے کے مددگار اور پشت پناہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔“

دنیا میں بڑی بڑی قد آور علمی شخصیات نے ہزار ہا کوششیں کیں لیکن بے سود رہی ہیں۔ قرآن کے مقابلے میں ایک سورت کیا ایک آیت تک نہیں لا سکتے۔ آج بھی مبلغ قرآن ہونے کی حیثیت سے دعویٰ کرتا ہوں کہ پوری دنیا میں اگر کوئی شخص آج بھی قرآن کی مثل ایک سورت یا آیت لے آئے تو ہم اسلام سے دستبردار ہو جائیں گے۔

اعجاز قرآن مختلف طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔ ان میں سے ایک فصاحت و بلاغت ہے۔ اسے عرب بڑی اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔ اس کے معجزہ ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ قرآن ۲۳ سال کے عرصہ میں پیغمبر اکرم پر نازل ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص ۲۳ سال تک سخن گوئی کرتا رہے تو

عام طور پر کسی نہ کسی مقام پر رائے میں اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن قرآن میں ایسا اختلاف بالکل نہیں پایا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرحوم شیخ انصاریؒ نے کتاب ”فرائض“ لکھی ہے، اس میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ فرائض میں تناقض و اختلاف بہت زیادہ حد تک موجود ہے۔ یا مثلاً مرحوم ملا آخوند خراسانی نے کتاب ”کفایۃ الاصول“ تحریر فرمائی ہے اسے بار بار پڑھا، ان کے شاگردوں نے اس کتاب کو مرتب کیا، اس کے باوجود دسیوں تناقض و اختلاف رائے اس میں موجود ہیں۔

جب کہ قرآن دعویٰ کر رہا ہے:

وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا.

(سورہ نساء، آیت: ۸۲)

”اگر ”قرآن“ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا۔“

اگر ایک اور زویے سے اس پر نظر ڈالی جائے تو پھر حق روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص مختلف اوقات میں کئی ایک مشکلات میں گرفتار رہے تو یہ چیز اس کی گفتگو پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ کسی وقت کچھ کہتا ہے کسی وقت کچھ۔ اس کی بات ایک نہیں رہتی ہے۔ اس میں اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

لیکن پیغمبر اکرمؐ کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپؐ مختلف اوقات میں مختلف مشکلات کا شکار رہے ہیں۔ ظاہری طور پر مالی اعتبار سے آپؐ کی زندگی تنگدستی اور فقر میں گزری ہے۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں بند ہو کر زندگی گزار دی ہے۔ ہر طرح کا آپؐ سے بایکاٹ کیا گیا۔ چوتھیں جنگیں آپؐ پر مسلط کی گئیں۔ اصحاب میں اس قدر احترام تھا کہ آپؐ وضو فرماتے تو ایک قطرہ پانی زمین پر نہ گرنے دیتے، اسے تبرک کے طور پر نوش کرتے تھے، حالات میں اس طرح کے نشیب و فراز کے باوجود قرآن کی اول سے آخر تک ایک ہی روش

ہے۔ اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو کسی نہ کسی مقام پر ضروری اختلاف پایا جاتا، کہیں نہ کہیں ضرورتاً قضا گوئی ہوتی؟ لیکن پورے قرآن میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے۔ پورے قرآن کی روش ایک ہی ہے۔ اسی چیز کو معجزہ کہتے ہیں۔

برہان عقلی اور نفس امارہ

سوال یہ ہے کہ کیا اصول دین کو دلیل و برہان کے ساتھ ثابت کر کے اس بات کا سبب ہو سکتا ہے کہ براہیختہ غرائز کو مہار کیا جائے؟ ایسا نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ ہمیں بہت سے ایسے افراد کے بارے میں علم ہے کہ فلسفہ میں مجتہد اور صاحب نظر ہیں لیکن پھر بھی ان کی زندگی گناہوں سے عبارت ہے۔ بہت سے افراد کے بارے میں مطلع ہوں کہ انہوں نے برہان نظم کو سنگین عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے، لیکن وہ اپنے جنسی غریزہ اور ریاست طلبی پر کنٹرول نہیں کر سکے ہیں۔

روایت میں ہے کہ روم کے ساتھ جنگ میں ایک غلام نے دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، جب دشمن نے راہ فرار اختیار کی تو اس غلام نے اپنے آپ کو اسلام میں پنہاں کر دیا، تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ یہ اس کا کام ہے۔

آپ فرماتے ہیں: میری نظریں اس کی طرف لکھی ہوئی تھیں تاکہ اللہ کا شکر یہ ادا کروں، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک گوشہ میں جا کر دعا کر رہا تھا کہ خدایا دشمن کے لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور تو کر سکا ہوں لیکن اب تک اپنے نفس امارہ پر مسلط نہیں ہو سکا ہوں۔ خدایا! مجھے توفیق عطا فرما کہ اپنے نفس امارہ پر تسلط حاصل کر سکوں۔

ارشاد خالق ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي. (سورہ یوسف، آیت: ۵۳)

”نفس بہر حال برائیوں کا حکم دینے والا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم

کرے۔“

(ایک عالم کے بارے میں لکھتے ہیں: اس نے وجود خدا کے اثبات پر ایک کتاب لکھی تھی۔)

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ. (سورہ عنکبوت، آیت: ۲)

”کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ صرف اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں ہوگا۔“

بہر حال امتحان سب کا ہوگا۔ خدا آزمائش میں ڈالتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس قدر یہ میرا بندہ ہے۔ لہذا یہ عالم دین جس نے اثبات خدا پر کتاب لکھی تھی وہ فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گیا۔ اس زندگی سے تنگ آ کر اس نے صحراء کا رخ کیا۔ پانی کے کنارے جا کر بیٹھا تو اس کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ وہ واپس گھر آیا تو اس نے اسلام کے خلاف ایک کتاب لکھ ماری کہ اس دنیا میں کوئی خدا نہیں ہے۔

جامع الشواہد میں ایک شعر نقل ہوا ہے جو اسی کے بارے میں ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم بہت سے عقلاء کو دیکھتے ہیں جو اقتصادی لحاظ سے انتہائی مشکلات میں گرفتار ہوتے ہیں، جب کہ بہت سے جاہل اور احمق لوگوں کو دیکھا ہے جو اقتصادی لحاظ سے بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ اس مشکل نے علم کلام کے ماہر عالم کو زندگی اور ملحد بنادیا ہے۔

دعا کریں کبھی بھی انسان مشکلات سے گھبرا کر صبر کا دامن نہ چھوڑ بیٹھے۔ اگر ایسا ہو تو پھر عقل، علم کلام، برہان صدیقین، برہان نظم اور برہان حدوث وغیرہ دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس مشکل سے صرف اور صرف ایمان ہی انسان کو نجات دے سکتا ہے۔ ایمان بھی ایسا ہو جو دل میں راسخ ہو چکا ہو اس ایمان کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان چشم دل سے خدا کو دیکھے اور اسے حاضر و ناظر جانے۔

مقدس اردبیلی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ ایک ایسے کمرے میں ہوں جہاں پر ایک حسین و جمیل عورت کے علاوہ آپ کے ساتھ کوئی اور نہ ہو تو کیا آپ اس کے ساتھ زنا کریں گے؟ مقدس اردبیلی نے یہ نہیں کہا تھا کہ زنا نہیں کروں گا بلکہ یہ کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میرے لئے خدا ایسا موقع نہ لائے۔

ہر انسان کا زندگی کے کسی موڑ پر ضرور امتحان لیا جاتا ہے۔ کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس صورت میں انسان کے پاس کوئی محکم پناہ گاہ ہونی چاہیے تاکہ انسان دل برداشتہ ہو کر راہ راست سے بھٹک نہ جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ. (سورہ طلاق، آیت: ۳)

”جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہے۔“

پس جو چیز مقدس اردبیلیؒ کو حاصل ہوئی ہے وہ علم کلام اور فلسفہ سے نہیں حاصل ہوئی

ہے۔

ولید بن مغیرہ کو عربوں نے ”ریحانہ الادب“ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ یعنی وہ ادب کی سند تھا۔ واقعاً وہ عجیب فصاحت و بلاغت کے مالک تھے۔ ایک دن وہ مسجد الحرام میں آیا۔ پیغمبر اکرمؐ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ولید نے قرآن اٹھایا، اسے دیکھ کر یقین کر لیا کہ یہ قرآن واقعاً خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اس کے بعد اپنے دوستوں ابوسفیان اور ابو جہل سے کہا: میں مسلمان ہو گیا ہوں۔

یہاں پر ایک نکتہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کو محتاط رہنا چاہیے کہیں تعصب کا شکار نہ ہو جائے، خود انحصاری، شخصیت پرستی اور پارٹی بازی سے بچنا چاہیے۔ ہمیشہ حقیقت کی تلاش میں رہنا چاہیے۔ خود انحصاری، شخصیت پرستی اور پارٹی بازی انسان کو لجوج اور ضدی بنا دیتی ہے۔ جب انسان ضد پر آ جائے تو حقیقت کو پائمال کر دیتا ہے۔ میرے استاد بزرگوار

رہبر عظیم الشان انقلاب حضرت امام خمینیؑ بارہا فرما چکے ہیں: صفات رذیلہ سے جلدی چھٹکارہ مشکل ہوتا ہے، ان سے جان چھڑانے کے لئے بیس سال خون جگر پینے کی ضرورت ہے۔ استاد بزرگوار مرحوم آیۃ اللہ بروجردی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ شہرت و اور ریاست طلبی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے بیس سال تک محنت و مشقت کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ روایت بیان فرمائی تھی:

اٰخِرُ شَيْءٍ يَخْرُجُ عَنِ الْقُلُوْبِ الصِّدِّيقِيْنَ حُبُّ الْجَاهِ.

”صدیقین کے دلوں سے جو چیز سب سے آخر میں ختم ہوتی ہے وہ جاہ و مقام کی محبت ہے۔“

آخر کار ولید بن مغیرہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے قرآن کے بارے میں بڑا عجیب اور فصیح و بلیغ جملہ کہا جو بمنزلہ روایت ہے۔

اِنَّ لَهُ الْحَلَاوَةَ وَاِنَّ لَهُ الطَّرَاوَةَ وَاِنَّ اَعْلَاهُ لِمُشْمِرٍ وَاَنْ اَسْفَلَهُ لِمَعْدِقٍ وَاِنَّهُ يَغْلُوْا وَلَا يَغْلٰى عَلَيْهِ.

”قرآن میں عجیب و غریب طراوت و شہین پائی جاتی ہے، واقعاً ایک ایسا درخت ہیں جس کی شاخیں ثمر آور ہیں اور جڑیں زمین کے اندر مضبوط ہیں، جنہیں کوئی اکھاڑ نہیں سکتا ہے۔ یہ قرآن کتاب خدا ہے۔ کوئی بھی انسان اس کی مثل نہیں لا سکتا ہے۔“

ابو جہل اور ابوسفیان نے سوچا کہ اگر ولید بن مغیرہ مسلمان ہو گیا تو ہمیں بہت نقصان ہوگا۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ ابو جہل ایک انتہائی مکار اور فریبی شخص تھا۔ وہ حالت غصہ میں ولید کے پاس آیا۔

ولید نے کہا: اے ابو جہل تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم ناراض کیوں ہو؟

ابو جہل کہتا ہے: لوگ کہہ رہے ہیں کہ تم ایک پیر فرقتی ہو تم نے اسلام اس لئے قبول

کیا ہے تاکہ تمہیں مال و دولت اور مقام و کرسی مل سکے۔ ابو جہل کی مکاری نے اپنا کام کر دکھایا۔ یہ اسلام سے واپس اپنے مذہب کی طرف پلٹ آیا۔ اب سوچنے لگ گیا کہ پیغمبر اکرمؐ کے خلاف کونسا جملہ کہا جائے۔

کیا دیوانہ کہا جاسکتا ہے؟

تمام نے کہا: وہ شخص جس نے چالیس سال تک ان لوگوں میں زندگی گزاری ہے اسے کیسے دیوانہ کہا جاسکتا ہے۔

کیا اسے جھوٹا اور دروغگو کہا جاسکتا ہے؟

خود ہی جواب دیا کہ وہ شخص جو چالیس سال تک امین و صادق کے طور پر یاد کیا جاتا رہا ہو، اسے کیسے دروغگو کہا جاسکتا ہے۔

کیا اسے شاعر کہا جاسکتا ہے؟

پھر خود ہی کہتے ہیں کہ چالیس سال ہو گئے ہیں آج تک ان سے کوئی شعر نہیں سنا گیا ہے۔ اس کی ہر بات عاقلانہ و متفکرانہ ہوتی ہے۔

سورہ مدثر میں ارشاد ہو رہا ہے:

إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقَتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قَاتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ
وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ إِنْ هَذَا إِلَّا
قَوْلُ الْبَشَرِ. (سورہ مدثر، آیت: ۱۸ تا ۲۵)

”اس نے فکر کی اور اندازہ لگایا تو اسی میں مارا گیا کہ کیسا انداز لگایا پھر اسی میں اور تباہ ہو گیا کہ کیسا اندازہ لگایا۔ پھر غور کیا۔ پھر تیوری چڑھا کر منہ بسور لیا۔ پھر منہ پھیر کر چلایا اور اکڑ گیا۔ اور آخر میں کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو پرانے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو صرف انسان کا کلام ہے۔“

وہ ولید جس نے کہا تھایَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ وہ کیوں اس طرح کر رہا ہے؟ خدا نہ

کرے کہ انسان بحران کا شکار ہو جائے اور مشکلات میں گرفتار ہو جائے۔ مامون الرشید کہتا ہے کہ یہ شیعہ گری میں نے اپنے باپ سے سیکھی ہے۔

ہارون اور مامون دونوں شیعہ تھے لیکن ایسے شیعہ جو ریاست و حکومت کی خاطر ماموں کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہارون الرشید امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اچھی طرح پہچانتا تھا، اسی طرح مامون بھی امام رضا علیہ السلام سے اچھی طرح واقف تھا۔

مامون کہتا ہے: ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں اپنے باپ کے پاس موجود تھا کہ موسیٰ بن جعفر تشریف لائے؟ تو میرا باپ دوڑ کر دروازے پر گیا اور انہیں گلے ملا، انہیں کرسی پر بٹھایا اور خود حقیر و ذلیل غلام کی طرح زمین پر ان کے حضور بیٹھ گیا۔ آپ کا رعب و جلال اس پر طاری تھا۔ وہ بات بھی درست طور پر نہیں کر پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد مجھے اور میرے بھائی امین سے میرا باپ کہتا ہے آقا کا احترام بجالاؤ اور انہیں گھر تک چھوڑ کر آؤ۔ میں نے اپنے باپ سے پوچھا: یہ کون ہے؟

اس نے کہا: بیٹا یہ وہ ہستی ہے جو حکومت و خلافت کا صحیح حق دار ہے۔

مامون کہتا ہے: میں نے کہا کہ جب خلافت ان کا حق ہے تو انہیں کیوں نہیں دیتے ہو؟ ہارون نے جواب دیا: اے میرے عزیز فرزند الملک عقیّم اگر میں تھوڑا سا بھی محسوس کروں کہ تم میری حکومت و خلافت کے مخالف ہو تو تمہیں بھی قتل کر لوں گا۔ کیا نفس امارہ کو برہان نظم کے ساتھ قابو کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

امام حسن علیہ السلام پر جنہوں نے ظلم کیا کیا وہ امام علیہ السلام کو نہیں پہچانتے تھے۔ کیا وہ لوگ آپ کو نہیں جانتے تھے۔ جنہوں نے آپ کے جنازے پر تیر کا حکم دیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایمان عقلی بھی غرائز و تمایلات کو کنٹرول نہیں کر سکتا ہے۔ پس انسان جس چیز کا محتاج ہے وہ ایمان قلبی ہے۔ اگر ایمان صحیح معنوں میں دل کے اندر راسخ ہو جائے تو غرائز و تمایلات کو کنٹرول کر سکتا ہے۔



باب دہم

صرف ایران قلمی غلامتاریات کو کنٹرول کر سکتا ہے

ایمان کی اقسام اور مراتب

غرائز و تمایلات کو کنٹرول کرنے والا ساتواں عامل ایمان عاطفی و قلبی ہے۔ میرے عقیدے کے مطابق تمام عوامل میں سے صرف ایمان قلبی ہی انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ قرآن و روایات اہل بیت علیہم السلام میں ایمان صرف تین قسموں میں منحصر ہے۔ پہلی قسم ایمان لسانی ہے۔ جسے قرآن نے ایمان حرفی سے یاد کیا ہے۔ یعنی ایسا ایمان جو عقل و دل میں راسخ ہو ارشاد ہے:

وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ. (سورہ حج، آیت: ۱۱)

”اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی عبادت صرف ایک ہی رخ پر اور مشروط طریقہ سے کرتے ہیں کہ اگر ان تک کوئی خیر پہنچ گیا تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی مصیبت چھو گئی تو دین سے پلٹ جاتے ہیں۔ یہ دنیا و آخرت دونوں میں خسارہ میں ہیں اور یہی خسارہ کھلا ہوا خسارہ ہے۔“

امام حسین علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں:

النَّاسُ عِبَادُ الدُّنْيَا وَالِدِّينُ لِعَقِّ بِالسِّنْتِهِمْ.

”لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں کی حد تک

ہے۔ دین ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہے انہوں نے دین کو صرف چکھا ہے۔“

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”اکثر ایمان لسانی اور زبانی ہے۔ یعنی صرف تقلید ہے۔“

ایسا ایمان نہیں ہے جو عقل و روح پر حاکم ہو، قرآن ایسے اشخاص کے بارے میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اگر ہر آسائش مرفہ الحال ہیں تو فقط صاحب ایمان ہیں لیکن اگر کسی بحران کا شکار ہو جائیں تو فوراً پھر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی خسارے میں ہیں۔ ایک اور جگہ پر قرآن فرما رہا ہے:

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا. (سورہ معارج، آیت: ۱۹)

”بے شک انسان بڑا لالچی ہے۔“

ایمان اگر دل و جان پر حاکم نہ ہو، روح میں راسخ نہ ہو تو اس کی حالت بیان ہو رہی ہے۔

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا.

(سورہ مفارج، آیت: ۲۰)

”جب تکلیف پہنچ جاتی ہے تو فریادی بن جاتا ہے اور جب مال مل جاتا ہے تو پھر بخیل ہو جاتا ہے۔“

اس طرح کا ایمان نہ تو فشار قبر سے بچا سکتا ہے اور نہ ہی روز قیامت سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ خاص کر موت کے وقت اس طرح کا ایمان چھیننے کے لئے شیطان ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ ایمان کی دوسری قسم وہ ہے جس کے بارے میں پہلے گفتگو ہو چکی ہے کہ یہ ایسا ایمان ہے جو دلیل و برہان کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اس سے عقل قانع ہو جاتی ہے۔ انسان کو شکوک و شبہات کی دنیا سے باہر نکالنا ہے۔ ایمان کی اس قسم کو شیطان معمولاً نہیں چھین سکتا

ہے۔ خواہ شیطان جنسی ہو یا انسی۔ کیونکہ اگر یہ ایمان عقل میں راسخ ہو جائے تو اس وقت انسان شیطان کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے اور اسے قانع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ کوئی شخص قرآن کی برہان نظم کو سمجھ لے تو اس وقت شیطان میں اتنی طاقت و قدرت نہیں ہے کہ وہ اس کے ایمان کو چھین سکے۔ لیکن یہاں پر مہم ترین اور اساسی ترین مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ایمان کی یہ قسم بہت اچھی ہے اور قیمتی موتی ہے، لیکن جب غرائز طوفانی صورت اختیار کر جائیں تو اس وقت یہ بھی اسے روک نہیں سکتا ہے۔ اس ایمان کے جاہل بعض لوگ اثبات معاد پر بیسیوں دلیلیں قائم کرتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کی زندگی گناہوں سے پر ہے۔ وجود خدا کو تو ثابت کر سکتے ہیں لیکن اپنے نفس امارہ کو کنٹرول نہیں کر سکتے ہیں۔

ایمان عاطفی اور یقین

ایمان کی تیسری قسم وہ ہے جو قلب و روح پر حاکم ہو، جو دل میں راسخ ہو اور دل کو یقین حاصل ہو جائے کہ خدا موجود ہے۔ قسم دوم یہ تھی کہ عقل کو یقین ہو جائے البتہ اس میں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ عقل یقین کر لیتی ہے لیکن پھر بھی شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن تیسری قسم یہ ہے کہ دل کو یقین ہو جائے کہ خدا موجود ہے۔ وہ حاضر و ناظر ہے اَلَمْ يَعْلَم بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى خدا ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ دل اس بات کو تسلیم کرے کہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ خدا رگ حیات سے زیادہ قریب ہے۔ دل کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ روز جزا ہے، جنت و جہنم موجود ہے لیکن دلیل و برہان معلوم نہیں ہے۔ ایسا ایمان ہی تمام مشکلات کا حل ہے۔

زید بن حارثہ منبر رسول خدا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ پیغمبر نے اس کی طرف دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ کسی اور دنیا کی سیر کر رہا ہے۔

آپ نے فرمایا:

كَيْفَ أَصْبَحْتُ.

”زید! تم کیسے ہو۔“

زید نے کہا:

أَصْبَحْتُ مُوقِنًا.

”بہت بڑا دعویٰ کیا کہ میری صبح یقین کے ساتھ ہوتی ہے۔“

میرے اندر ایمان پایا جاتا ہے۔ ایمان میرے دل میں راسخ ہو چکا ہے۔ مبداء و معاد پر یقین کامل رکھتا ہوں۔

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

اس پر کوئی دلیل ہے، کوئی علامت بیان کر سکتے ہو؟

زید نے عالم ملکوت کی سیر کرتے ہوئے کہا:

یا رسول اللہ! جنت و جہنم کو دیکھ رہا ہوں، بہشتی و جہمی کو پہچانتا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو بعض کا تعارف کروا دیتا ہوں۔

رسول اسلامؐ نے فرمایا: بس اتنا ہی کافی ہے۔

ایمان کی شناخت قرآن حکیم ان الفاظ میں کروا رہا ہے:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ نُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا.

(سورہ حجرات، آیت: ۱۴)

”عرب کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں، اے رسول! کہہ دو کہ تم ایمان نہیں

لائے بلکہ اسلام لائے ہو۔“

مومن وہ شخص ہوتا ہے جس کے دل میں ایمان راسخ ہو چکا ہو۔ ایمان عقلی اور ایمان

صرفی ظاہری اسلام کا درجہ رکھتے ہیں۔

لہذا قرآن فرما رہا ہے:

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ. (سورہ حجرات، آیت: ۱۴)

”ایمان ان کے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا ہے۔“

انہیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ہم مومن ہیں، بلکہ انہیں یہ کہنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں، ہماری عقلیں اسلام کے مقابلے میں خاضع ہیں۔

قرآن کی نگاہ میں ایمان قلبی کا پہلا درجہ ہی انسان کو گناہ سے بچاتا ہے۔ یعنی اگر انسان اطمینان کی حالت پر ہو، یقین کی منزل تک نہ پہنچا ہو تب بھی یہ انسان کو مہار کر سکتا ہے۔ اسے گناہوں سے بچا سکتا ہے۔

قرآن فرما رہا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُونُونَ.

(سورہ مطففین، آیت: ۲، ۳، ۴، ۵)

”ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ یہ جب لوگوں سے ناپ کرتے ہیں تو پورا تولتے ہیں اور جب ان کے لئے ناپتے تولتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا انہیں یہ خیال نہیں ہے کہ ایک روز دوبارہ اٹھائے جانے والے ہیں؟“

کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ کل کو حساب کتاب بھی ہونا ہے۔ ناپ تول کم کرنے کی صورت میں جہنم ٹھکانہ ہوگا۔ یقین تو دور کی منزل ہے اگر جنت و جہنم کا صرف گمان ہی ہو تو ناپ تول میں کمی زیادتی نہیں کریں گے۔

قرآن کہہ رہا ہے: اگر کسی کو اطمینان ہو جائے کہ حق الناس مشکل چیز ہے اور یہ بات عقل میں نہیں، بلکہ دل میں راسخ ہو جائے تو ایمان کی یہ قسم انسان کو کنٹرول کر سکتی ہے۔ کم فروشی صرف یہی نہیں ہے کہ انسان ناپ تول میں کمی کرے، یہ اس کا صرف ایک مصداق ہے،

ورنہ دوسروں کا حق ادا نہ کرنا، کام تھوڑا کرنا، مزدوری زیادہ لینا اور کرایہ وغیرہ ادا نہ کرنا یہ سب کم فروشی کے مصادیق ہیں۔ لہذا تمام تجار اور دکاندار حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ ایمانداری سے کام لیں، حکومت سے سستے داموں چیزیں لے کر لوگوں کو زیادہ مہنگی نہ فروخت کریں۔ جائز منافع حاصل کریں۔

قرآن کہہ رہا ہے: ویل ہے کم فروشوں کے لئے۔ ویل کا ایک معنی بربادی و ہلاکت ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اس کے علاوہ ویل جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے کم فروشوں کو جہنم کے علاوہ اس کنویں میں ڈالا جائے گا لہذا قرآن میں جہاں بھی ویل آیا ہے وہ اسی کے مصداق ہیں۔

مثلاً قرآن میں آیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ. (سورہ ماعون، آیت: ۴)

”ویل و بربادی ہے اس نمازی کے لئے جو نماز کو سبک و حقیر خیال کرتا ہے۔“

حق الناس

مالکان اور تجار حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر کوئی دکان وغیرہ کرائے پر دینا چاہتے ہو تو اس کا کرایہ مناسب حد تک مقرر کریں۔ اسی طرح دکان کرائے پر لینے والے کو چاہیے کہ مالک کو مناسب کرایہ ادا کرے۔ آپ قانون سے بالاتر ہو کر وجدان اخلاقی کو حاکم بنائیں۔ لہذا یہ دنیا جس کی مولا علی علیہ السلام کے نزدیک کوئی ارزش و قیمت نہیں ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے جہنم جانے سے بچیں۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ”دنیا سور کی ایسی ہڈی ہے جو بچو کے ہاتھ میں ہے“ جہنم جانا بہت مشکل ہے۔ دنیا کی زرق و برق اور مال و ثروت کی خاطر جہنم میں نہ جائیں، وہاں ندامت و حسرت کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ مال و دولت بندگان خدا کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ اسے اہمیت نہ دو، اس کی

خاطر جہنم میں نہ جاؤ۔

مرحوم شیخ انصاریؒ کے پاس چاندی دسونے کے کچھ سکے لائے گئے، جوان کے سامنے ڈھیر کر دیئے گئے۔ آپ اپنے پاس بیٹھے ہوئے طالب علم کو دیکھ رہے تھے۔ ظاہراً اس کا دل ان سکوں کی چمک دمک دیکھ کر مسخر ہو چکا تھا، آپ نے اس طالب سے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ چاندی سونے کے ان سکوں کی میرے نزدیک کیا ارزش و قیمت ہے؟

آپ نے فرمایا: لیٹرین میں پڑے ہوئے پتھر اور یہ سکے میرے لئے برابر ہیں۔ پہلے کسی جگہ بیان کر چکا ہوں کہ کوئی شخص محقق ابن یمن کو بتاتا ہے کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو نجاسات میں گرا ہوا دیکھا ہے۔ میرا پورا بدن آلودہ ہے۔

محقق ابن یمن کہتا ہے: آپ کا خواب بہت اچھا ہے۔ آپ کو بہت سی دولت ملے گی۔ حلال مال میں برکت ہوتی ہے۔ وہ انسان سے وفا بھی کرتا ہے۔ لہذا حرام مال سے بچنا چاہیے۔ خدانہ کرے کہ حرام کا سو روپیہ تیرے حلال مال میں شامل ہو کر پورے مال کو آلودہ کر دے۔

ارشاد قدرت ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا
وَيَصْلُونَ سَعِيرًا. (سورہ نساء، آیت: ۱۰)

”وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظالمانہ انداز سے کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے۔“

وہ لوگ جو چشم بصیرت رکھتے ہیں۔ وہ عذاب کا مشاہدہ کرتے ہیں، لہذا آپ تمام دوستوں سے گزارش کروں گا کہ حق الناس کا بہت زیادہ خیال کرنا چاہیے۔ پروردگار عالم قسم کھاتے ہوئے کہتا ہے: مجھے میری عزت و جلال کی قسم میں ہر چند کو معاف کر سکتا ہوں لیکن حقوق العباد معاف نہیں کروں گا۔

سورہ تکاثر میں یقین کے ابتدائی مراتب کا ذکر کیا گیا ہے جو غرائز کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔

ارشاد ہے:

حَتَّىٰ ذُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ كَلَّا
لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَهَنَّمَ.

”یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کر لی، دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا اور پھر خوب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تمہیں یقینی علم ہو جاتا کہ تم جہنم کو ضرور دیکھو گے۔“

دنیا انسان کو مشغول کر دیتی ہے۔ آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب انسان ریشمی کپڑے کی طرح اپنے خول میں بند ہو جاتا ہے۔ النَّاسُ نَامُوا فَإِذَا مَاتُوا تُنْبَهُوا ”لوگ غفلت کی نیند سوتے ہیں، مرنے کے بعد متوجہ ہوں گے کہ ہم غافل تھے۔“ اس وقت حسرت سے کہیں گے کہ کاش اس چیز کی پہچان علم الیقین سے ہو جاتی (علم الیقین ایمان عاطفی کا پہلا درجہ ہے)۔ پس اگر دل میں ایمان کی شجرکاری کی ہو تو انسان گناہ نہیں کرتا ہے۔ اسے اگر یقین ہو جائے کہ اندھے منہ جہنم میں پھینکا جائے گا اگر علم ہو کہ نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ عقل، ارادہ، قدرت، مال اسلام اور ولایت جیسی نعمتیں جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں، انہیں تم نے کیا کیا ہے؟ اس وقت انسان گناہوں سے پرہیز کرے گا۔

مذکورہ آیات کریمہ بھی ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ ایمان قلبی و عاطفی ہی انسان کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ یہی ایمان ہی غرائز کی طوفانی لہروں کے لئے چٹان بن سکتا ہے۔ اس ایمان کی خصوصیات یہ ہیں کہ غم و غصہ کو زائل کرتا ہے۔ پریشانی و اضطراب کو ختم کرتا ہے۔ اگر ایمان دل میں راسخ ہو جائے، مبداء و معاد کا یقین ہو جائے اور اس بات کا علم ہو جائے کہ خدا ہی اس کا سرپرست ہے، اس وقت انسان صحیح عبد بنتا ہے اور خدا اس کا مولیٰ

ہے۔ اس صورت میں موٹی پر فرض ہے کہ اپنے عبد کی ہر طرح سے حفاظت کرے، اس کا حق اسے عطا کرے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (سورہ رعد، آیت: ۲۸)

”آگاہ ہو جاؤ کہ ذکر خدا سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔“

اگر دل میں یاد خدا آگئی، ایمان قلبی رسوخ پیدا کر لے تو اس وقت دل مطمئن ہے۔ پس ایمان کے علاوہ جتنے بھی عوامل ذکر ہوئے ہیں کوئی بھی پریشانی و اضطراب کا علاج نہیں ہے۔ صرف خدا کی یاد اور اس پر ایمان ہی ہر درد کی دوا ہے۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ.

(سورہ یونس، آیت: ۷۲)

”آگاہ ہو جاؤ کہ اولیاء خدا پر نہ خوف طاری ہوتا ہے اور نہ ہی وہ محزون اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔“

وہ لوگ جو خدا کو دوست رکھتے ہیں انہیں گزرے اوقات سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی آئندہ سے انہیں کوئی خطرہ ہے کیونکہ ان کی پناہ گاہ ذات پروردگار ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ. (سورہ طلاق، آیت: ۳)

”جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہ اس کے لئے کافی ہے۔“

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأََهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ. (سورہ حدید، آیت: ۲۲)

”زمین میں کوئی بھی مصیبت وارد ہوتی ہے یا تمہارے نفسوں پر وارد ہوتی ہے تو نفس کے پیدا ہونے کے پہلے سے وہ کتاب الہی میں مقدر ہو چکی ہے، اور یہ خدا کے لئے بہت آسان شے ہے۔“

جو مصیبت بھی قحط، آفت، وغیرہ زمین یا تمہارے نفسوں پر (خوف، غم، درد و الم وغیرہ)

وارد ہوتی ہے، یہ تمام کی تمام واقع ہونے سے پہلے ہماری کتاب میں مرقوم ہیں۔ انہیں خلق کرنا خدا کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگر دل میں ایمان راسخ ہو جائے تو پھر گزرے اوقات پریشان نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہوا تھا۔ اسی طرح اللہ سے بھی کسی قسم کا کوئی خوف و خطر نہیں ہے۔

امام سجاد علیہ السلام دعا ابو حمزہ ثمالی میں فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا تُبَاشِرُ بِہٖ قَلْبِیْ وَ یَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ
اَنَّهُ لَنْ یُّصِیْبَنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَ رَضِیْنِیْ مِنَ الْعِیْشِ بِمَا قَسَمْتَ بِاِ
رْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

”خدا یا دل میں راسخ ہونے والا ایمان عطا فرما، یہاں تک کہ میں سمجھوں کہ مجھے کوئی چیز نہیں پہنچتی سوائے اس کے جو تو نے میرے لئے لکھی ہے اور مجھے اس زندگی پر شاد رکھ جو تو نے میرے لئے قرار دی۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔“

ایمان قلبی کے مراتب

علماء اخلاق نے ایمان قلبی و عاطفی کے تین درجے بیان کئے ہیں: پہلے مرتبہ و درجہ کا نام علم الیقین رکھا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان دل میں راسخ ہو جائے اور انسان مبداء و معاد کو صحیح طرح سے سمجھ سکے۔ علم الیقین رکھنے والا انسان چشم دل سے خدا کو دیکھتا ہے اور ادراک کرتا ہے۔ جس طرح پیاسا شخص پیاس کو محسوس کرتا ہے۔ عام طور پر جو انسان کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے اگرچہ ایمان قلبی نہ رکھتا ہو اس کے اندر یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔

ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

فَاِذَا رَكِبُوا فِی الْفُلْکِ دَعَوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجَّہُمْ

إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ. (سورہ عنکبوت، آیت: ۷۵)

”پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو ایمان و عقیدہ کے پورے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو فوراً شرک اختیار کر لیتے ہیں۔“

اسے یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح بھوکا شخص جب پیٹ بھر کے کھا لیتا ہے تو سیر ہونے کو محسوس کرتا ہے، اسی طرح بعض اوقات انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خدا کا ادراک کرتا ہے اور اپنے گم شدہ معبود کو پالیتا ہے۔ یہ حالت تمام انسانوں کے اندر پیدا ہوتی ہے۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ. (سورہ نور، آیت: ۳۷)

”یہ چراغ ان گھروں میں سے ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اور ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے کہ ان گھروں میں صبح و شام اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔“

قرآن فرماتا ہے: بعض لوگ ایسے ہیں جو مرتبہ مقام کے لحاظ سے بلند ہیں، انہیں عالم ملکوت میں مومن کہا گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کی بارگاہ میں حاضر پاتے ہیں اور اپنی گم شدہ چیز کو پالیتے ہیں۔

قرآن میں خدا فرما رہا ہے:

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (سورہ نور، آیت: ۳۷)

”وہ جنہیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کر سکتا۔“

وہ جہاں بھی ہوں اپنے آپ کو خدا کی بارگاہ میں سمجھتے ہیں۔ اگر انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جائے تو پھر اس سے گناہ کا ارتکاب کوئی معقول بات نہیں ہے، مگر یہ کہ انسان

غفلت کا شکار ہو جائے اور کوئی گناہ سرانجام دے بیٹھے۔ جب انسان اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ گناہ ارتکاب کر بیٹھا ہے، تو پھر وہ اس کا جبران کرنے کے لئے ذات پروردگار کے حضور توبہ کرتا ہے۔ گریہ وزاری کرتا ہے، اگر کسی وقت انسان کسی مشکل میں گرفتار ہو جائے اور عزیزہ اس پر مسلط ہو جائے اور اسے تحت تاثیر کرے جنی و انسی شیاطین اس کا دائرہ تنگ کر دیں اور اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو موقع ملتے ہی راہ فرار اختیار کرتا ہے اور ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

امام غزالی لکھتا ہے: ایک تاجر نے ایک کشتی بھر کر گندم ایک شہر میں بھیجی اور اپنے مفتی سے کہا کہ جونہی یہ گندم وہاں پہنچ جائے اسے فوراً فروخت کر دینا، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ احتکار حرام ہے۔

غزالی کہتا ہے: وہ گندم پیر کے روز اس جگہ پہنچ گئی۔ منشی تاجر کا خیر خواہ تھا۔ اس نے حساب لگایا کہ اگر یہ گندم جمعہ کے دن فروخت کرے تو زیادہ بچت ہوگی، کیونکہ پچھلے جمعہ کو بھی گندم کی قیمت زیادہ تھی۔ پس اس کا اندازہ درست نکلا۔ اسے سات ہزار درہم بچت ہوئی۔ اس منشی نے خوشی خوشی تاجر کو دیکھا کہ منگل کو گندم پہنچی تھی میں نے اسے جمعہ کے دن بیچا ہے اور اتنی مقدار زیادہ بچت ہوئی ہے۔ اس نے ساری رقم تاجر کو بھیج دی۔

تاجر کو اپنے منشی کا جب یہ خط ملا تو بہت ناراض ہوا، کیونکہ اس کے دل میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ کوئی چیز بھی اس کے ایمان کو ختم نہ کر سکی۔ اس کا شکر یہ ادا کرنے کی بجائے اسے لکھتا ہے: اے ظالم و خبانت کا شخص! تو نے خیانت کی ہے، کیا اس پیسے اور دنیا کی خاطر تو مجھے اور اپنے آپ کو جہنمی کرنا چاہتا ہے؟ تم نے کیوں تین دن تک لوگوں کی خوراک سٹور کر کے رکھی ہے؟ میں یہ ساتھ ہزار واپس بھیج رہا ہوں، جونہی یہ رقم تمہیں ملے اسے فوراً بطور صدقہ کوفہ کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دو، شاید خداوند تمہارا اور میرا گناہ معاف فرمادے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: جو مسلمان شخص کسی دوسرے مسلمان کو

دھوکا دے وہ مسلمان نہیں ہے۔ پیغمبر اکرمؐ پھل فروش کی دکان کے قریب سے گذر رہے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ فروٹ کی اوپر والی اور نیچے والی ٹوکری میں فرق ہے۔ آپ نے دکان دار سے پوچھا: ایسا کیوں ہے؟

اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ان میں یہ فرق بارش کے قطرات کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے سب کو ملایا کیوں نہیں ہے؟
آپؐ فرمایا:

مَنْ غَشَّ مُسْلِمًا فَلَيْسَ مِنَّا.

”اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دھوکہ دے تو وہ مسلمان نہیں ہے۔“

غزانی ایک اور واقعہ لکھتا ہے: ایک تاجر نے اپنے حسابدار یعنی منشی کو لکھا کہ اس سال زیادہ سردی کی وجہ سے گنا کی فصل اچھی نہیں ہے، لہذا جتنی ہو سکے شکر، چینی خرید کر رکھ لے، اس سال اس کی قیمت بہت چڑھ جائے گی۔ اس نے کافی مقدار میں چینی خرید کر سٹور کر لی۔ اچانک اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ دل میں راسخ شدہ ایمان نے تازیانے برسانا شروع کر دیے۔ وہ اپنے آپ کی سرزنش کرتا ہے کہ تو نے یہ کیا کیا ہے؟ اگرچہ اس سے بچت زیادہ ہوگی لیکن تو نے لوگوں کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ ایمان کے تازیانے اس قدر شدید تھے کہ صبح کی اذان تک اسے نیند نہ آئی۔ اذان صبح کے وقت مسجد آیا۔ بازار کھلنے کا انتظار نہ کیا جن کے ساتھ معاملہ کیا تھا ان کے دروازوں پر گیا اور کہا: چونکہ تم لوگوں کو معلوم نہیں تھا اس سال چینی کی قیمت زیادہ ہے لہذا آپ سے التماس کرتا ہوں کہ اس معاملہ کو ختم کریں۔

غزالی مزید لکھتا ہے: جن تجار کے ساتھ اس نے معاملہ کیا ہوا تھا وہ اس پر بہت خوش ہوئے اور کہا: ہم آپ سے راضی ہیں معاملہ ختم نہ کریں۔

وہ تاجروں کے کہنے پر مان گیا۔ اس نے معاملہ ختم نہ کیا، لیکن اگلی رات جب دوبارہ بستر خواب پر گیا تو وجدان نے تازیانے برسانا شروع کر دیئے۔ نیند اس پر حرام ہو چکی تھی۔ وہ

اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: اے نفس! تو نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے، لوگوں کا مال ناحق لوٹا ہے، اگرچہ وہ راضی ہو گئے ہیں لیکن تو نے غلط کام سرانجام دیا ہے؟ اگلی صبح دوبارہ دکانوں پر گیا اور انہیں کہتا ہے: میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس معاملہ کو ختم کریں، تاکہ مجھے سکون میسر آ سکے اور رات کو آرام سے سو سکوں۔ آخر کار معاملہ کو ختم کیا لوگوں کی چینی واپس لوٹائی۔ اس کے بعد اپنی حالت پر گریہ کرتا ہے۔

اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمُقَابِرَ.

”تمہیں باہمی مقابلہ کثرت مال و اولاد نے غافل بنا دیا، یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کر لی۔“

اگر انسان کا رابطہ خدا اور اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ مضبوط و محکم ہو جائے اور گناہ سے اس قدر اجتناب کرے کہ اسے ملکہ حاصل ہو جائے تو اس وقت علم الیقین کا مرتبہ بلندی کی طرف پرواز کرے گا۔ یہ ایمان قلبی ملا صدراء کی اسفار سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس کے لئے رابطہ کی ضرورت ہے۔ انسان کا رابطہ خدا سے جس قدر زیادہ ہوگا اپنے آپ کو اس قدر احکام شرعی کا پابند بنائے گا۔ اس ایمان میں اسی قدر اضافہ ہوگا۔

عین الیقین

ایمان کے دوسرے مرتبہ کا نام عین الیقین رکھا ہے۔ مرتبہ اول کی صورت میں دور سے آگ کو دیکھتا ہے جب کہ مرتبہ دوم کی صورت میں آتش کو اپنے پاس محسوس کرتا ہے اور اس کی حرارت سے گرم ہو جاتا ہے:

ارشاد قدرت ہے:

فَلَمَّا اتَّهَانُوا دِيَّانَا مُوسٰی اَنّٰی اَنَا رَبُّکَ فَاَخْلَعُ نَعْلَیْکَ اِنِّکَ

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی. (سورہ طہ، آیت: ۱۲)

”پھر جب موسیٰ اس آگ کے قریب آئے تو آواز دی گئی: اے موسیٰ! میں تمہارا پروردگار ہوں، لہذا اپنی جوتیوں کو اتار دے کہ تم طویٰ نام کی ایک مقدس وادی میں ہو۔“

انسان صفاتِ رذیلہ سے نجات حاصل کر کے اپنے آپ کو صفاتِ انسانی سے ملبس و مزین کر سکتا ہے۔ اس وقت نورِ خدا اس کے دل میں روشن ہوتا ہے اور اس کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ قرآن اور علماءِ اخلاق کے بقول اسے مقامِ تحلیہ اور عینِ الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

وَيَجْعَلُ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرَ لَكُمْ. (سورہ حدید، آیت: ۲۸)

”اور تمہارے لئے ایسا نور قرار دے دے جس کی روشنی میں چل سکو اور تمہیں بخش دے۔“

ایک اور جگہ ارشاد ہو رہا ہے:

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلَهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا..... (سورہ انعام، آیت: ۱۲۲)

”کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور قرار دیا، جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے، اس کی مثال اس جیسی ہو سکتی ہے جو تاریکیوں میں ہو اور اس سے نکل بھی نہ سکے۔“

میرے عزیزو! قرآن سے ارتباط پیدا کرو۔ کیا وہ شخص جس کے پاس نور ہے اور اسی نور کے ساتھ لوگوں میں زندگی گزار رہا ہے، اس شخص کے مساوی ہو سکتا ہے جو ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہو کر زندگی گزار رہا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ ان کے درمیان بہت فرق ہے، کیونکہ قرآن فرما رہا ہے: یہ انسان نورِ خدا کی روشنی میں زندگی گزار رہا ہے، اس کے لئے کسی قسم کی کوئی پریشانی و اضطراب نہیں ہے، کیونکہ اس کا تعلق خدا کے نور سے ہے۔ اس نے حق و باطل کے درمیان فرق کو پہچانا ہے۔ وہ اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ اس کے نزدیک

مال و ثروت، بیوی اور بچوں کی محبت کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔

حق الیقین

ایمان کا تیسرا مرتبہ حق الیقین ہے۔ یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کا رابطہ خدا اور ولایت یعنی محمد و اہل بیت محمد علیہم السلام کے ساتھ اس قدر نزدیک ہو جائے کہ کوئی چیز سد راہ نہ ہو۔ حق الیقین کا مرتبہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ الرَّحْمَنِ ”مومن کا دل خدا کا عرش ہے۔“ اس پر خدا کے علاوہ کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اللہ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا یہاں پر ولی بمعنی سرپرست ہے، یعنی صرف خدا ہی مومن کا سرپرست ہے اسی کی دل مومن پر حکمرانی ہے۔ جب خدا حاکم مومن ہو تو پھر اس شخص کی نگاہ میں خدا کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس کی نظر ہمیشہ خدا پر ہوتی ہے۔ اس کا اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ مال دنیا کی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔ العیاذ باللہ حرام راستے سے کمانے کی کیا ضرورت ہے۔ نہ ہی اسے ریاست و حکومت کی خواہش ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے فخر فروشی کرتا پھرے۔ ماری نے کتنے اچھے اشعار کہے ہیں:

بہ صحرابن گرم صحرا تو بینم

یہ دور یا بن گرم دریا تو بینم

بہ ہرجا بن گرم کوہ و درو دشت

نشان از روی زیبای تو بینم

”صحرا و دریا میں دیکھوں یا کوہ و دشت میں نظر دوڑاؤں فقط تیری خوبصورت

نشانیوں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ گویا کہنا یہ چاہتا ہے کہ جہاں بھی دیکھوں صرف

تیری ذات والا صفات ہی نظر آتی ہے۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادَ يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ. (سورہ بقرہ، آیت: ۱۶۰)

”لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا مثل قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت بھی کرتے ہیں، جب کہ ایمان والوں کی تمام تر محبت خدا کے لئے ہوتی ہے۔“

بعض لوگ ایسے ہیں جن کے دلوں میں کسی نہ کسی کی محبت گوشہ گیر ہوتی ہے۔ بعض مال و دولت سے محبت کرتے ہیں، بعض بیوی بچوں کے پرستار ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خدا کے علاوہ کسی نہ کسی چیز کی محبت ان کے دلوں پر حاکم ہے، گویا انہوں نے صاحب خانہ یعنی خدا کو دل سے نکال کر غاصبوں کو جگہ دی ہوتی ہے۔ قرآن اسے بت پرستی سے تعبیر کرتا ہے۔ اس دل میں ایک بت نہیں بلکہ بتوں کی آماجگاہ ہے۔ لیکن وہ شخص جو خدا کا عاشق ہے۔ اس کے دل پر صرف خدا کی حکومت ہے۔ عاشق اگر اپنے عشق کو تیسرے چوتھے مرتبے پر پہنچا دے تو اس وقت وہ اپنے معشوق کے علاوہ کچھ دیکھتا ہی نہیں ہے۔

شاعر کہتا ہے: ”تو تو میری زبان، آنکھ اور دل میں ہے پس کیسے غائب ہو کیونکہ غائب تو وہ ہوتا ہے جو زبان، آنکھ اور دل میں نہ ہو۔“

مَا بَلَكَ بِمِیْنِكَ يَا مُوسٰی قَالَ عَصٰی اَتَوَكَّلُ عَلٰیہَا وَاَهْشُ بِہَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیْ فِیْہَا مَا رَبُّ اُخْرٰی. (سورہ طہ، آیت: ۱۷، ۱۸)

”اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میرا عصا ہے، جس پر میں تکیہ کرتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے چٹیاں جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بہت سے مقاصد ہیں۔“

جب عاشق اپنے معشوق کے نزدیک آیا تو خطاب ہوا: اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ تو موسیٰ نے جواب دیا عصا ہے، جس پر میں تکیہ کرتا ہوں اور اس سے بھیڑ بکریوں کو ہانکتا ہوں۔

مذکورہ آیت شریفہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ اگر دل پر خدا حاکم ہو جائے تو پھر انسان کے لئے سب سے بڑی لذت و دعا قرآن پڑھنے میں ہے۔ قرآن یعنی چہ؟

میرے استاد بزرگوار حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں: قرآن نازل ہونے والی کلام ہے جب کہ دعا کلام صاعد ہے یعنی قرآن خدا کی اپنے بندے سے گفتگو ہے اور دعا عاشق کی اپنے معشوق کے ساتھ عبد کی اپنے معبود کے ساتھ گفتگو ہے۔ اگر کسی باذوق شخص سے کہا جائے کہ سب سے بہترین لذتوں کو شمار کرو تو وہ یہی کہے گا عاشق کی اپنے معشوق کے ساتھ تنہائی کی لذت سب لذتوں پر حاوی ہے۔ البتہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس لذت پر بھی کوئی لذت بھاری ہے؟ تو جواب مثبت ہے کیونکہ کی عاشق اپنے معشوق کے ساتھ گفتگو کی لذت پر بھی کوئی لذت بھاری ہے اس سے زیادہ ایک اور مقام لذت ہے کہ جب معشوق اپنے عاشق کو دعوت دیتا ہے یہ بالاترین مقام لذت ہے، اور اس سے بالاترین مقام لذت یہ ہے کہ معشوق اپنے عاشق کی بات پر توجہ کرے اور اس سے بالاترین مقام لذت یہ ہے کہ معشوق اپنے عاشق پر مہربان ہو۔ یہ سب چیزیں رات کے وقت خدا کے ساتھ راز و نیاز کرنے سے میسر ہوتی ہیں۔

ارشاد قدرت ہے:

تَجَافَى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ. (سورہ سجدہ، آیت: ۱۶)

”ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور طمع کی بنیاد پر پکارتے رہتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق سے ہماری راہ میں انفاق کرتے رہتے ہیں۔“

بعض انسان ایسے عاشق ہیں جن کے دلوں پر خدا کی صفات جمال و جلال حاکم ہیں، ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ راہ خدا میں تقسیم کر دیتے ہیں اور جو کچھ خدا نے کہا ہے اس پر

عمل کرتے ہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک یہ لذت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وصال اللہ ہو۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

رَكْعَتَانِ فِي خَوْفِ اللَّيْلِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

”آدھی رات کے وقت دو رکعت نماز میرے لئے دنیا و مافیہا سے کئی حصے بہتر ہے۔“

کیونکہ اس وقت عاشق اپنے معشوق سے ملاقات کی تمنا کرتا ہے۔ خدا اس کے دل پر حاکم ہوتا ہے۔ اس سے نصف شب اپنی گم شدہ چیز کو پالتا ہے۔ قرآن اسے مبارک باد دیتا ہے۔ سورہ نمل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نقل ہوا ہے۔ اس میں ایمان کے تینوں مراتب کا ذکر ہوا ہے۔

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا. (سورہ نمل، آیت: ۷)

”اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے اہل سے کہا تھا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔“

یہ علم الیقین کا مرتبہ ہے کہ کہہ رہا ہے کہ دور سے آگ دیکھ رہا ہوں۔

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ مَوْلَاهَا.

(سورہ نمل، آیت: ۸)

”اس کے بعد جب آگ کے پاس آئے تو آواز آئی بابرکت ہے وہ خدا جو

آگ کے اندر اور اس کے اطراف میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔“

آیت کریمہ کے اس حصے میں ایمان کے دوسرے دونوں مراتب کو بیان کیا گیا ہے۔

خدا کہتا ہے: مبارکباد ہو اسے جو عین الیقین اور حق الیقین کی منزل پر فائز ہوا ہے۔

اس شخص کو مبارک ہو جس کے دل پر خدا حاکم ہے۔

بہ جہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم از او است
عاشق برہمہ عالم کہ ہمہ عالم از او است
”جہاں سے اس لئے راضی ہوں کہ دنیا والے اس سے راضی ہیں۔ ساری
دنیا کا عاشق ہوں، کیونکہ ساری دنیا کا وجود اسی سے ہے۔“

دشمنی کا کوئی معنی نہیں ہے کیونکہ انسان کو اس کے ساتھ دشمنی کرنی چاہیے، جو خدا کا
عاشق نہ ہو اور جس کے دل پر خدا کی حکومت نہ ہو۔ مجنوں کے بارے میں ایک جملہ نقل کرتے
ہیں۔ اس نے کتے کو پکڑا تو لوگوں نے کہا: کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔

اس نے جواب دیا:

این سگ فرخ رخ لیلی است این

پاسبان کوچہ لیلی است این

”یہ کتا لیلی کا پالا ہوا ہے اور اس کے کوچہ کا نگہبان ہے۔“

اگر انسان یقین کی اس منزل پر پہنچ جائے تو غیبت، تہمت، دھوکہ بازی، فراڈ اور
معاملات میں گڑبڑ سے چھٹکارا مل سکتا ہے، کیونکہ انسان جب خدا کو دوست رکھتا ہے تو اس
کے بندوں کو بھی دوست رکھتا ہے۔



باب یازدہم

ایمان قلبی کیسے حاصل ہوتا ہے؟

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ایمان کی جڑیں اگر دل میں مضبوط ہو جائیں تو اس وقت انسان طوفانی و طغیانی صورت میں غزائر و تمایلات کو مہار کر سکتا ہے۔ صرف ایمان قلبی ہی میں انسان کو کنٹرول کرنے کی طاقت و قوت پائی جاتی ہے۔ ایمان کا مرحلہ اول یعنی علم الیقین انسان کو مہار کر سکتا ہے۔ ایمان کا دوسرا اور تیسرا مرحلہ عین الیقین اور حق الیقین ہیں ایمان کا یہ مرحلہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان کے دل پر خدا حاکم ہو۔ قرآن کے بقول خوشحال ہے وہ شخص جو عین الیقین یا حق الیقین کی منزل پر فائز ہو۔

نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ جَوْلَهَا. (سورہ غل، آیت: ۸)
 ”جب آگ کے پاس آئے تو آواز آئی بابرکت ہے وہ خدا جو آگ کے اندر اور اس کے اطراف میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔“
 فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا.

”پس جو اس کی ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ عمل صالح کرے اور کسی کو اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک نہ بنائے۔“

ایمان قلبی اور عبادت

ایمان کے دوسرے اور تیسرے مرحلہ میں مالک حقیقی سے ملاقات ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں بیس سے زیادہ مقامات پر ملاقات اور لقاء اللہ کا ذکر ہوا ہے۔ اس میں مہم ترین بحث یہ ہے کہ یہ مقام کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ مرحلہ ایمان عقلی کی طرح دلیل و برہان سے حاصل ہو سکتا ہے؟ جواب منفی ہے کہ ایمان عقلی کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہے، صرف ایمان عقل کے لئے فلسفہ، عرفان، علم کلام وغیرہ کی ضرورت ہے جب کہ ایمان قلبی و عاطفی کے بارے میں قرآن نے اجمالاً فرمایا ہے: یہ ایمان عبادت خدا سے حاصل ہوتا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ. (سورہ حجر، آیت: ۹۹)

”اس وقت تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہے جب تک کہ موت نہ آ جائے۔“

ایمان قلبی کے لئے عبادت کی ضرورت ہے، خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مسلسل رابطہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ. (سورہ الذریات، آیت: ۵۴)

”ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔“

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: لِيَعْرِفُونِ اگر کوئی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ عبادت سے حاصل ہوگی۔ انسان اگر خدا کو برہان نظم کے ذریعہ ثابت کر سکتا ہے تو یہ علم ہے معرفت نہیں ہے۔

قرآن فرما رہا ہے: اگر معرفت چاہتے ہو تو صرف عبادت سے ہوگی۔ عبادت کے ذریعے تم کسی مقام تک رسائی حاصل کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔

مذکورہ آیت بھی فرما رہی ہے: لقاء میں میلاپ کا راستہ صرف اور صرف عبادت ہے اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تمہارے دل پر حکمرانی کرے تو اس کا راستہ یہ ہے کہ تمام بتوں سے دل کو خالی کر دیں اور عبادت خدا کو اپنا معمول بنالیں۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ لَعَنَ جَوْہی ایمان قلبی چاہتا ہے فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا انہیں عبادت کرنی چاہیے اور اچھے اچھے کام انجام دینے ہوں گے۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ عبادت میں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراء دل سے تمام بتوں کو باہر نکال پھینکو، کیونکہ قلب مومن عرشِ رحمن ہے۔ دیواگر فرار کر جائے تو اس کی جگہ فرشتہ لے لیتا ہے۔ اگر ہم اپنی خلقت کا ہدف یعنی ایمان قلبی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہماری زندگی میں تین چیزوں کا ہونا لازمی ہے۔ ان تین چیزوں کے ذریعے انسان جہاں چاہے جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کہ وہ عبادت گزار پڑھا لکھا ہے یا نہیں سر پر عمامہ ہے یا نہیں، دیہاتی ہے یا شہری، مرد ہو یا عورت۔

اگر انسان پاک و پاکیزہ زندگی گزارنا چاہتا ہے تو عبادت کے ذریعے خدا کے ساتھ اپنا رابطہ و تعلق مستحکم کر لے ایسا انسان ہی دنیا و آخرت میں پاکیزہ و طیب زندگی گزار سکتا ہے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (سورہ نحل آیت: ۹۷)

”انہیں اعمال سے بہتر جزاء دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے

تھے۔“

ایمان قلبی حاصل کرنے کے تین عوامل

جو کوئی بھی ایمان قلبی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

❖ شرعی ظواہر کی پابندی

❖ گناہ سے پرہیز

❖ مستجاب بجالانا

شرعی ظواہر کی پابندی

اگر انسان شرعی ظواہر اور احکام کی پابندی نہ کرے تو وہ کسی مقام پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔
اگر وہ خیال کرتا ہے کہ ان کے بغیر اسے کوئی منزل مل گئی ہے تو یہ تخیل ایک شیطانی وسوسہ
ہے۔ شرعی پابندیاں اور ان پر عمل کرنا ہی لقاء کا سبب ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا.

”جو بھی اپنے پروردگار سے لقاء کی امید رکھتا ہے پس وہ نیک اعمال انجام
دے۔“

شرعی ظواہر کے تقیدات کے موارد میں سے ایک مورد واجبات کو اہمیت دینا اور قانون
اسلام، اوامر خدا، اوامر پیغمبر و امام کا مطیع ہونا ہے۔ نماز و روزہ اور دیگر شرعی وظائف و تکالیف کو
بجالانا ہے۔ اسی طرح ان اوامر کو اہمیت دینا ہے جو میاں بیوی کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ ان
قوانین و ضوابط کو ملحوظ رکھنا ہے جو کسب و کار اور تجارت کے بارے میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ
طے شدہ بات ہے کہ اگر کوئی شخص اوامر کو اہمیت نہیں دیتا ہے تو کسی مقام و منزل تک نہیں پہنچ
سکتا ہے۔ اگر تم کسی بلند مقام پر فائز ہونا چاہتے ہو تو واجبات کی پابندیاں کریں۔ وہ شخص جس
کے اندر نماز کے اول وقت میں تلاطم برپا نہ ہو وہ ایمان قلبی سے خالی ہے۔ وہ شخص جو اپنی
گھریلو ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتا یا وہ تاجر و کاسب ان قواعد و ضوابط کا لحاظ نہیں کرتا جو اس
کے لئے بیان کئے گئے ہیں وہ کسی مقام پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ نوجوان لڑکا یا لڑکی
اپنی ازدواجی ذمہ داریوں کو نہیں سمجھتا ہے وہ کوئی منزل نہیں پاسکتا ہے۔

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ.

”پس عمل صالح بجالاؤ اور اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ تمہیں
یقین ہو جائے یعنی موت کی دہلیز پر پہنچ جاؤ۔“

عبادت صرف نماز پڑھنے میں منحصر نہیں ہے، اگرچہ نماز ایک اہم امر ہے جتنی تاکید نماز کے بارے میں کی گئی ہے کسی اور عبادت کے بارے میں نہیں کی گئی ہے۔ صرف نماز کافی نہیں ہے۔ انسان کو ۱۰۰% اپنے مولیٰ کا مطیع ہونا چاہیے۔

تاریخ میں ایک نوجوان لڑکی کا واقعہ آیا ہے شاید یہ واقعہ میری گفتگو کو واضح و روشن کرنے میں معاون ثابت ہو۔ اصحاب صفہ میں سے ایک کا نام جوپیر تھا وہ فقیر اور سیاہ پوست تھا۔ غربت کی یہ حالت تھی کہ مسجد کے ایوان میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس کے پاس رہنے کے لئے کوئی اور ٹھکانہ وغیرہ نہیں تھا۔ (اس زمانہ میں جن لوگوں کے پاس گھر نہیں تھے رسول خدا نے مسجد کے سامنے ان کے لئے ایک ایوان بنوایا تھا جس میں وہ لوگ زندگی بسر کرتے تھے)۔ ایک دن پیغمبر اسلام وہاں پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جوپیر غصے کی حالت میں اپنا سر زانوؤں میں دبائے بیٹھے ہیں۔

آپ نے پوچھا: ”اے جوپیر! کیا شادی کرنا چاہتے ہو؟“

اس نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! مجھے کون لڑکی دے گا۔“

آپ نے فرمایا: ابھی اٹھو اور زیاد بن زبیر کے گھر جا کر اسے کہو کہ مجھے رسول اللہ نے بھیجا ہے۔ اور فرمایا ہے: آپ سے آپ کی بیٹی فاطمہ کا رشتہ مانگوں۔

زیاد بن زبیر کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ وہ مدینہ کی مالدار اور خاندانی شخصیت تھی۔ فاطمہ کون تھی؟ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ وہ ایک خوبصورت، سمجھدار اور باوقار شخصیت کی مالک تھی۔

جوپیر زیاد بن زبیر کے دروازے پر آیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب زیاد دروازے پر آیا تو جوپیر نے کہا: مجھے رسول خدا نے تیری طرف بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد میرے ساتھ کر دو۔ اس نے کہا: ابھی تم چلے جاؤ، میں خود پیغمبر اکرم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس کی لڑی سارے واقعہ سے باخبر ہو چکی تھی۔

اس نے کہا: بابا جان! کیا بات ہے؟

زیاد بن زبیر نے کہا: جو پیرسیاہ پوست ہے وہ آیا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے پیغمبر نے رشتہ لینے کے لئے بھیجا ہے۔

اس لڑکی نے پوچھا: آپ نے کیا جواب دیا ہے؟

زیاد نے کہا: میں نے اسے کہا ہے کہ میں ابھی خود پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔

اس لڑکی نے کہا: اگر پیغمبر نے واقعاً اس شخص کو بھیجا ہو تو اس وقت آپ کا یہ جواب ان کی شان مقدس میں تو ہین ہے۔

زیاد نے کہا: پھر تم بتاؤ کیا کروں؟

اس کی بیٹی نے کہا: جاؤ اسے واپس بلا کر گھر میں بٹھاؤ اور خود پیغمبر کی خدمت میں جاؤ اور معلوم کرو۔ انہوں نے کیا فرمایا ہے۔

زیاد بن زبیر نے ایسا ہی کیا خود رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اور عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا جو پیر کو آپ نے میرے پاس بھیجا ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے ہی کہا ہے کہ اپنی بیٹی فاطمہ کا عقد اس شخص کے ساتھ کر دو۔ زیاد اپنی بیٹی سے آکر کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس طرح سے فرمایا ہے۔

اس کی بیٹی نے عرض کیا: جو کچھ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے۔ اس پر عمل ہونا چاہیے۔

زیاد بن زبیر نے جو پیر کے لئے ایک گھر تلاش کیا: اور عقد کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ نکاح کرنے کے بعد لڑکی کو جلد عروسی میں لے جایا گیا۔ جو پیر بھی جلد عروسی میں داخل ہوا۔ ظاہری بات ہے وہ شخص جو کچھ عرصہ قبل ایک پھٹے پرانے لباس میں ایوان مسجد میں زندگی گزار رہا تھا، اب اسے گھر مل گیا۔ خوبصورت بیوی مل گئی۔ اس کی زندگی سنور گئی۔ اول شب سے لے کر صبح تک یہ شخص اپنی بیوی کے پاس نہ گیا، بلکہ عبادت خدا میں مصروف رہا ہے

دوسری اور تیسری رات بھی اس نے اسی حالت میں گزاری کہ عبادت خدا میں مشغول رہا۔
 پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! تین راتیں گزر چکی ہیں یہ شخص اپنی
 زوجہ کے پاس تک نہیں گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے عورت کی ضرورت نہیں ہے۔
 پیغمبر اکرمؐ نے جو پیر کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:
 اے جو پیر! لوگ کہتے ہیں: تمہیں بیوی کی ضرورت نہیں ہے؟
 جو پیر نے کہا: کیوں یا رسول اللہ؟

آپؐ نے فرمایا: پھر تم نے اس طرح کیوں کیا ہے؟

جو پیر نے کہا: یا رسول اللہ! جب میں جملہ عروسی میں داخل ہوا تو میں نے خدا کی نعمتیں
 دیکھیں تو میں نے ارادہ کیا کہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے تین روز تک خدا کی
 عبادت کروں۔ آج تیسری رات تمام ہو گئی ہے۔ آج کی رات اپنی زوجہ کے نام ہے۔
 زیاد بن زبیر کی طرح ایمان قلبی، فاطمہ بنت زیاد بن زبیر کی طرح درگشت اور جو پیر
 کی طرح فرمان خدا کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے اطاعت خدا کی ضرورت ہے۔
 کہتے ہیں: ان تینوں افراد نے درگشت سے کام لیا ہے۔ ایک نے اپنی شخصیت کی
 پرواہ نہیں کی ہے۔ زیاد بن زبیر نے اس زمانے میں بہت مہم کام انجام دیا تھا۔ قرآن،
 روایات اور تاریخ نے عربوں کی اس زمانہ کی حالت کو واضح طور پر بیان کیا ہے ان میں اکثر
 پھوں اس حد تک تھی کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہتا، اگر اس کا دروازہ چھوٹا
 ہوتا تو یہ شخص اس بات پر تیار نہ ہوتا کہ تھوڑا سا جھک کر گھر میں داخل ہو جائے، بلکہ اس
 دروازے کو توڑ کر بڑا کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ پس زیادہ بن
 زبیر نے کتنی بڑی قربانی دی ہے کہ ایسے محیط میں جو پیر جیسے شخص کو اپنی بیٹی دی ہے۔

ادھر فاطمہ بن زبیر صد در صد فرمان خدا کے تابع ہے۔ احکام خدا اور رسولؐ کی پابند
 ہے۔ آپؐ دیکھیں اس کے باپ زیاد بن زبیر نے جو پیر کو واپس بھیج دیا تو بیٹی نے باپ سے

کہا: یہ رسول اللہ کی اہانت ہے۔ اسے واپس بلا کر گھر میں بٹھاؤ اور خود رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں معلوم کرو، اگر پیغمبر کا یہی حکم ہے تو میں تابع فرمان ہوں۔

آپ حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس رشتہ لینے آتا ہے تو پہلے یہ دیکھیں کہ وہ دیندار ہے یا نہیں۔ اچھے اخلاق کا مالک ہے یا نہیں؟ اگر وہ ان چیزوں سے مزین ہے تو ضرور اس کے ساتھ رشتہ کریں۔ اسی طرح اگر کسی لڑکی کا رشتہ لینا چاہتے ہو تو پہلے اس کے دین و اخلاق کو دیکھیں اگر خالی ہے تو اس کا رشتہ بالکل نہ لیں اگرچہ وہ لڑکی کسی متمول شخص کی ہی بیٹی کیوں نہ ہو۔

اسلام کہتا ہے: لوگوں کی عفت کا خیال کرو، دیکھو وہ لڑکی جس کا رشتہ مانگ رہے ہو، وہ عقیف ہے یا نہیں؟ اگر دیکھتے ہو کہ وہ دین کی پابند نہیں ہے تو اس سے بالکل رشتہ نہ کریں چاہے وہ کسی رئیس کی ہی بیٹی کیوں نہ ہو۔ ماں، باپ، بیٹا، بیٹی اگر امر خدا کے پابند ہوں گے تو ان میں ایمان پیدا ہوگا یہی چیز ایمان کی جڑوں کو دل میں مضبوط کرتی ہے۔ احکام خدا کی پابندی ہی شجر ایمان کی آبیاری کرتی ہے۔ پس زندگی کے ہر شعبے میں قوانین الہیہ کی پابندی ہی انسانیت ہے۔ حج اگر واجب ہے تو اسے ضرور انجام دیں۔ خمس اگر واجب ہے تو ضرور ادا کریں، اسی طرح زکوٰۃ ہے اگر خمس و زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ہو تو کافر و مشرک ہو۔ قرآن فرما رہا ہے:

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

كَافِرُونَ. (سورہ فصلت، آیت: ۶)

”ہلاکت و بربادی ہے مشرکین کے لئے۔ مشرک کون ہے؟ وہ شخص ہے جو خمس و زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے۔“

ایمان قلبی صرف اسی میں منحصر نہیں بلکہ اسلام کہتا ہے: نماز پڑھنا واجب ہے اگر اول وقت یا جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے ہو تو تمہارے لئے ویل و بربادی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ.

بربادی و ہلاکت ہے اس مسلمان نما شخص کے لئے ہے جو نماز کو اہمیت نہیں دیتا ہے۔
صرف بات نماز میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر صورت میں تمام موازین و قوانین شرعیہ کی پاسداری
لازمی ہے۔

گناہ سے اجتناب

ایمان قلبی حاصل کرنے کا دوسرا عامل گناہوں سے اجتناب ہے۔ واجب کی پابندی
اور انہیں اہمیت دینا ایمان قلبی کی اساسی شرط ہے لیکن اس سے مہم ترین گناہوں سے اجتناب
ہے، کیونکہ گناہ و شجر ایمان کو جلا کر رکھ دیتے ہیں۔ ارتکاب گناہ قساوت قلبی کا سبب بنتا ہے۔
اگر گناہ پر گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔

فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ. (سورہ زمر، آیت: ۲۲)

”افسوس ہے ان لوگوں پر جن کے دل ذکر خدا کے لئے سخت ہو گئے۔“

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اسَآؤُا السُّوْاى اَنْ كَذَّبُوْا بِآيَاتِ اللّٰهِ.

(سورہ روم، آیت: ۱۰)

”اس کے بعد برائی کرنے والوں کا انجام برا ہو کہ انہوں نے خدا کی نشانیوں

کو جھٹلایا۔“

وہ لوگ جن کی زندگی گناہوں سے پر ہے، انہوں نے شجر ایمان کو بالکل خشک کر دیا
ہے۔ اس کو جڑ سے نکال پھینکا ہے۔

انجام مستحبات

ایمان قلبی حاصل کرنے کا تیسرا عامل مستحبات کو بجالانا ہے۔ اس سے انسان کے دل
میں شجر ایمان کی آبیاری ہوتی ہے۔ شجر ایمان تناور درخت بنتا ہے۔

مستحبات میں سے قرآن پڑھنا، خدا کے ساتھ راز و نیاز کرنا، نماز تہجد بجالانا، رات

کے آخری حصہ میں بیدار ہونا اور اپنی اہمیت و طاقت کے مطابق معاشرے کی خدمت کرنا مہم ترین مستحبات ہیں۔ اسلام کی نظر میں بعض اوقات دوسروں کی خدمت کرنا واجب ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ انسان پچاس میل کا راستہ ایک رات میں طے کرے یعنی ممکن ہے کہ ایک رات میں شجر ایمان کو دل میں محکم کر لے۔ اسی طرح مسلمان کی آبروریزی کرنا، کسی کی شخصیت کو تباہ و برباد کرنا ممکن ہے ایک لمحہ میں شجر ایمان کو جلا کر راکھ بنا دے۔ بہت سے ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ جنہوں نے پچاس سال کے طویل راستے کو ایک سال میں طے کیا ہے۔ بہت سے جوانوں سے واقف ہوں جنہوں نے ظواہر دین کی پابندی، دوسروں کی خدمت، ایثار اور قربانی کے ذریعے پچاس سال کا راستہ ایک دن میں طے کر لیا ہے۔

مرحوم اخوند ملا حسین قلی ہمدانی شیخ انصاری رحمۃ علیہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ انہوں نے معاشرے کو بڑے اچھے اچھے شاگرد دیے ہیں۔ میرے استاد بزرگوار علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم قاضی اور یہ مرحوم ملا حسین قلی ہمدانی کے شاگرد ہیں۔ ان سے بڑے اچھے اچھے واقعات نقل ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ یہ کربلا معلیٰ زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کا ایک شاگرد کسی کام کی وجہ سے آپ کے ساتھ نہ جاسکا لیکن جب رات ہوئی تو اس نے سوچا کہ استاد محترم کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔ لہذا اس نے ارادہ کیا کہ کل تک جیسے بھی ممکن ہو استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔ اس نے پروگرام بنایا کہ دریائی راستے سے جایا جائے تو کل تک کربلا پہنچ سکتا ہے۔ وہ کشتی پر سوار ہو کر کوفہ سے فرات کے راستے آیا چونکہ وہ ایام، ایام زیارت تھے۔ دوران سفر بہت سے عرب زائر بھی اس کشتی پر سوار ہو گئے۔ کشتی لوگوں سے بھر گئی۔ مرحوم ملا حسین قلی ہمدانی کے شاگرد سعید سعید کے پاس ایک عرب آکر بیٹھ گیا، چونکہ وہ تھکا ہوا تھا۔ وہ آقا سعید سعید کا سہار لے کر سو گیا۔ جبکہ اس کے بدن سے بدبو بھی آرہی تھی۔

آقا سعید سعید نے ارادہ کیا کہ اسے بیدار کیا جائے لیکن دل نے کہا کوئی بات نہیں سویا

رہے۔ یہ زائر امام حسین علیہ السلام ہے دوسری دفعہ ارادہ کیا لیکن پھر بھی بیدار نہ کیا۔ پھر تیسری دفعہ سوچا کہ اسے بیدار کیا جائے لیکن ایمان قلبی نے اجازت نہ دی کہ اس زائر حسینؑ کو بیدار کرے۔ ساری رات اس نے اسی حالت میں گزار دی۔ ادھر سے مرحوم آخوند ملا حسین قلی ہمدانی کی ذہنی تاریخیں آقا سید سعید کے ساتھ متصل تھیں۔ آپ اپنے شاگردوں کے سامنے بار بار بارک اللہ آقا سید سعید کہہ رہے تھے۔ آپ کے شاگرد بیان کرتے ہیں: ہم نہیں سمجھتے کہ بارک اللہ آقا سید سعید یعنی چہ؟

مرحوم آخوند کے شاگرد کہتے ہیں: کہ استاد بزرگوار صبح تک آقا سید سعید کو خوش آمدید کہنے کے لئے منتظر رہے۔ جب وہ پہنچ گئے تو انہیں السلام علیکم کہا اور کوئی بات نہ کی اور کہا: بارک اللہ آقا سید سعید تو نے پچاس سال کا سفر ایک رات میں طے کر لیا ہے۔

آپ تمام حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنی ہمت و طاقت کے مطابق دوسروں کی خدمت کریں۔ خاص کر ان خواتین کے ساتھ تعاون کریں جو سادہ لوح اور دیہاتی ہیں۔ ناواقف لوگوں کی خدمت کریں، کیونکہ وہ ایک مسلمان اور علی علیہ السلام کا شیعہ تو ہے۔

اہل بیت سے توسل

ظواہر دین کی پابندی میں سے ایک چیز اہل بیت علیہم السلام سے توسل ہے۔ اگر تم کوئی مقام و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے توسل ضروری ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ظواہر دین کی پابندی یعنی واجبات کو اہمیت دینے، گناہوں سے اجتناب کرنے اور اپنی طاقت کے مطابق مستحبات کو بجالانے میں اس وقت چاشنی ہوگی جب ان میں خلوص نیت اور توسل اہل بیت علیہم السلام شامل ہوگا۔ اگر خلوص نیت اور توسل سے خالی ہوں تو سبب بے معنی و بے کار ہیں۔

مرحوم علامہ مجلسی اول رحمۃ اللہ علیہ عجیب شخصیت کے مالک تھے۔ یہ ایک فقیہ،

عارف، مفسر قرآن اور اہل بیت علیہم سے منقول روایات سے بڑی اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے فقہ پر ایک مکمل دورہ تحریر فرمایا ہے۔ یہ چیز اس بات پر واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن شریف اور روایات معصومین علیہم السلام پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے مرحوم شیخ صدوق کی کتاب ”مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيه“ کی تعریف میں ایک کتاب گیارہ جلدی تحریر فرمائی ہے: شرح زیارت جامع کے ضمن میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں: جو ہماری اس گفتگو میں بے حد سودمند ہے۔ فرماتے ہیں: مجھے نجف حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی لیکن میں نے محسوس کیا کہ کل امیر المومنین علی علیہ السلام سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے سوچا کہ اگر زیارت امیر المومنین علیہ السلام سے مشرف ہونا چاہوں تو پہلے محکم رابطہ کی ضرورت ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس طرح کا عقل و فہم اور شعور رکھتے ہیں۔ یہ عقل و فکر اور علم نہیں ہے، بلکہ یہ وہ ایمان قلبی و عاطفی ہے، جو دل میں نفوذ کر چکا ہو۔ پس مجلسی اول رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ پہلے رابطہ محکم کروں، اس کے بعد زیارت امیر المومنین سے مشرف ہوں گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ایک دن میں وادی السلام میں اس مقام پر گیا جو حضرت بقیۃ اللہ عجّل اللہ فرجہ الشریف سے منسوب ہے۔ کہتے ہیں: دن کے وقت وہاں پر ڈر لگتا تھا۔ اس لئے میں رات کے وقت حرم امیر المومنین علیہ السلام کے رواق میں عبادت کرتا تھا۔ لیکن میں ضریح مقدسہ کے پاس نہیں گیا ہوں۔

فرماتے ہیں: کچھ راتیں اسی طرح گذریں۔ ایک رات مکاففہ ہوا۔ یہ مکاففہ ہر کسی کو نہیں ہوتا ہے بلکہ ان افراد کو ہونا ہے جو علم و عمل میں موفق ہوں۔ علامہ مجلسی وغیرہ ہی اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن وہ لوگ جو متون اور اسلامی معارف میں تبحر، متخصص اور ماہرانہ ہوں اگر وہ یہ دعویٰ کریں تو خام خیالی کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں ملا صدر اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔

وہ اپنی اخبار میں فرماتے ہیں:

هَذَا تَحْصِيلٌ لَنَا عَقِيبُ الْكَشْفِ وَالْخَلَوَاتِ وَأَقِمْنَا عَلَيْهِ الْبُرْهَانَ.

مکافہ و خلوت کی وجہ سے ہمیں سب کچھ ملا ہے۔

علامہ مجلسی اولؒ بھی ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن وہ لوگ جنہوں نے کچھ راتیں نماز تہجد پڑھی ہوں ایسا دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں۔ جاہل شخص اگر مکافہ کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ خام خیالی یا دام فریب ہے۔ لہذا خود بھی محتاط رہیں اور دوسروں کو بھی متوجہ کریں کہ ایسے جاہل لوگوں کے دام فریب میں نہ آئیں۔ لیکن اگر علامہ مجلسی اس بات کا دعویٰ کریں تو ان کا دعویٰ کرنا درست ہے۔

وہ فرماتے ہیں: مجھے مکافہ ہوا کہ میں سامری میں امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں ہوں۔ میں نے جب ان کا نور دیکھا تو میں نے دیوانوں کی طرح زیارت جامعہ اپنے آقا و مولیٰ کے حضور تلاوت کرنا شروع کر دی۔ آقا و مولیٰ نے فرمایا کہ آگے آ جاؤ۔ لیکن میں ڈر گیا۔ لیکن ان کا رعب میرے اوپر طاری ہو گیا۔ میں آگے بڑھا تو آقا و مولیٰ نے اپنا دست مبارک میرے شانے پر رکھا اور فرمایا:

نِعْمَ الزِّيَارَةُ هَذِهِ.

”یہ زیارت بہت اچھی ہے۔“

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: میری حالت مکافہ تمام گئی تو مجھے کہا گیا کہ سامری آئیں۔ میں امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کئے بغیر وہاں سے پیدل سامری گیا۔ غسل زیارت کرنے کے بعد میں حرم مطہر میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ امام زمانہ علیہ السلام اپنے والد بزرگوار اور جد محترم کی قبر کے پاس کھڑے ہیں۔ میں نے دور کھڑے ہو کر انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے دیوانہ وار زیارت جامعہ پڑھنا شروع کر دی۔ کہ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ بَيْتِ النَّبُوَّةِ وَمَوْضِعِ الرِّسَالَةِ..... یہ زیارت آخر تک میں نے تلاوت کی۔

کہتے ہیں: امام زمانہ علیہ السلام میری طرف متوجہ تھے۔ زیارت ختم ہونے کے بعد فرماتے ہیں: آگے آؤ لیکن میں ان کے رعب اور شان و شوکت کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ کچھ قدم چلا پھر پیچھے ہٹ گیا۔ امام نے فرمایا: آگے آ جائیں۔ بلا آخر میں آگے بڑھا تو امام علیہ السلام نے اپنا دست شفقت میرے شانے پر رکھتے ہوئے فرمایا:

نِعْمُ الزِّيَارَةُ هَذِهِ.

”یہ بہت اچھی زیارت ہے۔“

علامہ مجلسی کہتے ہیں:

میں نے کہا: آقا! یہ زیارت آپ کے جد بزرگوار کی ہے (یعنی قبر امام علی نقی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا) آپ نے فرمایا: ہاں یہ زیارت میرے جد بزرگوار کی ہے۔ لہذا میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عالم تبحر اور عارف علامہ مجلسی زیارت جامع کے بارے میں فرماتے ہیں: تمام زیارتوں میں سے یہ بہترین زیارت ہے، کیونکہ کوئی بھی زیارت مضمون اور دلالت کے اعتبار سے اس قدر صریح نہیں ہے۔

لہذا میرے استاد بزرگوار رہبر عظیم الشان فرماتے ہیں: اس زیارت کا مضمون اس کی سند پر دلالت کرتا ہے۔ بالغرض اگر اس کی سند صحیح نہ ہی ہو تو اس کا مضمون ہی بناتا ہے کہ یہ زیارت امام معصوم علیہ السلام سے منقول ہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے اس پر اعضاء فرماتے ہیں:

نِعْمُ الزِّيَارَةُ هَذِهِ.

لہذا تمام محبان اہل بیت علیہم السلام سے گزارش کرتا ہوں کہ ہر صبح اس زیارت کی تلاوت فرمائیں۔ پس زندگی میں تو سل ضروری ہے۔ والدین کے بغیر زندگی بے کار اور فضول ہے۔ امام و ولایت کے بغیر اسلام صرف ایک بے روح مجسمہ ہے۔

خداوند تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ. (سورہ مائدہ، آیت: ۶۷)

”اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے
نازل کیا گیا ہے۔ اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا
ہے۔“

یعنی اگر علیؑ کو اپنا وارث نہ بنایا اور ولایت علیؑ علیہ السلام کے مجسمہ میں داخل نہ ہو تو
اس کے بغیر اسلام کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

ہماری ان دس راتوں میں گفتگو کا خلاصہ امام رضا علیہ السلام کا وہ فرمان ہے جو آپ
نے نیشاپور کے جم غفیر میں ارشاد فرمایا تھا: جب آپ کو نیشاپور لایا گیا تو لوگ جوک درجوک
آپ کے استقبال کے لئے آ رہے تھے۔ ہمارے آقا کجاوہ میں تشریف فرما تھے، لوگ آپ کی
زیارت کے مشتاق تھے۔ لوگوں کا اسرار بڑھا تو امام علیہ السلام کجاوہ سے باہر تشریف لائے تو
آپ نے فرمایا: میرے والد محترم امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام
سے، انہوں نے اپنے والد امام محمد باقرؑ سے، انہوں نے اپنے والد امام زین العابدینؑ سے،
انہوں نے اپنے والد امام حسین علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے بھائی امام حسن علیہ السلام
سے، انہوں نے اپنے والد بزرگوار امام علی علیہ السلام، انہوں نے اپنے بھائی رسول اللہ سے
اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے خبر دی ہے کہ خدایا نے فرمایا ہے:

كَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي آمِنَ مِنْ عَذَابِي.

”کلمہ لا الہ الا اللہ میرا محکم قلعہ ہے، جو بھی اس میں داخل ہو گیا وہ میرے
عذاب سے محفوظ ہو گیا۔“

جس طرح اگر آپ کسی مضبوط قلعے میں داخل ہو جائیں تو دشمن کے حملے سے محفوظ ہو
جاتے ہیں، اسی طرح اگر کلمہ لا الہ الا اللہ دل میں راسخ ہو جائے تو پھر غرائز طوفانی صورت

اختیار نہیں کر سکتے۔ انسان شیطان کے حملے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ.

”شیطان اس پر حاکم ہوتا ہے جو اس کے زیر سایہ زندگی گزارتا ہے۔“ اگر انسان پرچم خدا کے تلے ہو تو کُنُس لَہُ سُلْطَانٌ۔ پھر اس پر شیطان کی حکومت نہیں ہوتی ہے۔

اتنی حدیث ارشاد فرمانے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے اپنے کجاوہ میں واپس چلے گئے۔ چند قدم چلنے کے بعد دوبارہ سر کجاوہ سے باہر نکالا اور فرمایا:

بِشَرْطِهَا وَشَرْطِهَا وَ أَنَا مِنْ شَرْطِهَا.

”اس کے کچھ شرط ہیں اور ہم اس کے شرط ہیں۔“

امام علیہ السلام نے حدیث کا دوسرا حصہ اس لئے تھوڑا سا وقفہ ڈال کر بیان فرمایا تاکہ سننے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے۔

ایمان قلبی اور اخلاق

شرعی احکام کو اہمیت دینا اور انہیں بجالانا ضروری ہے۔ واجبات کو اہمیت دینا محرمات سے اجتناب کرنا اور مستحبات کو بقدر طاقت انجام دینا لازمی ہے۔ البتہ ان سب میں چاشنی اس وقت ہوگی جب اہل بیت علیہم السلام سے توسل اور خلوص نیت ہوگی۔ اس بات کی طرف متوجہ رہیں کہ تمام کے تمام کام خدا کے لئے ہونے چاہیں۔

ارشاد قدرت ہو رہا ہے:

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً. (سورہ بقرہ، آیت: ۱۳)

”خدائی رنگ کتنا اچھا رنگ ہے۔“ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کے ہر کام میں خدائی رنگ پایا جائے جب ایسا ہے تو پھر اس کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں آ سکتی ہے۔ قرآن میں تقریباً تین سو سے زیادہ آیات ولایت امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ہیں۔ ان

سب میں بہترین آیت سورہ مائدہ کی پچپن نمبر ہے۔

ارشاد ہو رہا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ
وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ. (سورہ مائدہ آیت: ۵۵)

”تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے

ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔“

یعنی ولایت دائمی و ہمیشگی ہے، یعنی تمہارا ولی، سرپرست، تمہارے دلوں کا ولی اور جامعہ

اسلامی کا حاکم و سرپرست خدا ہے۔ اس کے بعد پیغمبر خدا اور اس کے بعد وہ مومن ہیں جو نماز

پڑھتے ہیں اور حالت رکوع میں انگٹھی بطور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس بات پر شیعہ و سنی متفق ہیں

کہ حالت رکوع میں جس شخص نے زکوٰۃ دی تھی وہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیت ولایت کس لئے نازل ہوئی؟ کیا ایک انگٹھی کی خاطر جو

زکوٰۃ میں دی گئی؟ انگٹھی بہت زیادہ قیمتی نہ تھی۔ جیسا کہ بعض ناسمجھ لوگوں نے خیال کیا ہے

چونکہ یہ آیت کریمہ بہت اچھی ہے۔ لہذا انگٹھی کی قیمت بہت زیادہ بیان کی ہے۔ ان کے

خیال میں چونکہ انگشتر کی قیمت زیادہ تھی اس لئے خداوند کریم نے مذکورہ آیت کریمہ نازل

فرمائی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ شاید اس کی قیمت ایک درہم سے زیادہ نہ تھی۔

امیر المومنین علیہ السلام کی انگٹھی بھی ان کے لباس کی طرح معمولی تھی، لیکن اس پر

خلوص کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔

امام علیہ السلام کے خلوص کے طفیل انگٹھی کی ارزش و قیمت اس قدر بڑھی کہ کوئی چیز بھی

اس انفاق کے مقابل نہیں ہے۔ بالآخر اس انگٹھی کی ارزش و قیمت اس قدر زیادہ کیوں ہے؟

میرے استاد بزرگوار علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ نے خلوص کے بارے میں ایک بہت

اچھا جملہ ارشاد فرمایا تھا: وہ فرماتے ہیں کہ جس کام پر خلوص کا رنگ چڑھ جائے اس کی قیمت خدا

کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ اس کی ارزش و قیمت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کی پاداش صرف اور صرف خدا کی ذات ہوتی ہے۔ کام کتنا بھی اچھا اور مہم کیوں نہ ہو اگر اس پر خلوص کا رنگ نہیں چڑھا ہوا ہے، تو اس کی ارزش و قیمت خاک کے برابر نہیں ہوتی ہے۔ پس ہمیشہ جو بھی کوئی کام کریں، اس میں خوشنودی خدا ملحوظ خاطر رکھنی لازمی ہے۔ تاجر و دکاندار محترم سے گزارش کرتا ہوں کہ تمہارا یہ کاروبار کرنا راہ خدا میں جہاد ہے۔ البتہ جہاد اس وقت ہوگا جب اس پر رنگ خدائی چڑھا ہوا ہو۔

روایت کے الفاظ میں:

الْكَادُ عَلَى عِيَالِهِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.

”وہ شخص جو اپنے اہل و عیال کے لئے محنت مزدوری کرتا ہے وہ مجاہد سبیل اللہ ہے۔“

یعنی وہ شخص جو اس لئے محنت مزدوری کرتا ہے کہ بیوی بچے بہتر زندگی گذاریں یا اسلام اور مسلمانوں کی خاطر محنت کرتا ہے تو یہ اس کا راہ خدا میں جہاد ہے۔ خاتون اور گھر میں اس کے کاموں کے بارے میں روایت ہے:

جِهَادُ الْمَرْئَةِ حُسْنُ الْبُعْلِ.

”عورت کا جہاد یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔“

اگر ایک بیوی رضائے خدا کے لئے شوہر کی آسائش کا خیال رکھتی ہے۔ معاشرے کو ترتیب شدہ مسلمان اولاد دیتی ہے، تو اس کا یہ عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ روایت میں ہے کہ ان صفات کی مالک عورت جب کھانا وغیرہ تیار کر کے دسترخوان لگاتی ہے تو گویا اس کا یہ بہت بڑا جہاد ہے۔ اس کا درس پڑھنا اور کسب و کار صرف شوہر داری ہے۔

روز قیامت انبیاء و اولیاء کے بعد علماء کا مرتبہ و درجہ ہے اور علماء کے بعد شہداء ہیں۔

شہید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: روز قیامت ایک عالم کو لایا جائے گا اس سے پوچھیں گیکہ

جناب دنیا میں کیا کرتے رہے ہو؟

جواب دے گا: خدا کی خاطر، مسلمانوں کی ترقی و تقویت کے لئے۔ قال الباقرو قال الصادق کہتا رہا ہوں۔ اسے جواب ملے گا کہ تو روایات معصومین علیہم السلام کی تبلیغ تو کرتا رہا ہے لیکن یہ سارا اس لئے تمہارا کہ تجھے کہیں اَنْتَ الْعَالِمُ تو ایک بہت بڑا عالم ہے۔ تجھے داد دیں، تیرے سامنے واہ واہ کے نعرے لگائیں، تیری تعریف کے پل باندھیں کہ تم کتنے بڑے عالم ہو۔ خطاب ہوگا کہ اس عالم صاحب کو منہ کے بل جہنم میں پھینک دیں۔

اس کے بعد شہید کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ جناب تم کیا کرتے رہو ہو؟ وہ جواب میں کہے گا: میں محاذ جنگ میں اگلی صفوں میں تھا، دشمن نے ہمارا محاصرہ کر لیا میں نے اس قدر دشمنوں کو قتل کیا کہ بالآخر خود راہ خدا میں شہید ہو گیا۔ اسے خطاب ہوگا تم نے محاذ جنگ پر بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا انہیں قتل بھی کیا، آخر کار خود بھی قتل ہو گئے۔ تمہارا یہ سب کچھ خدا کے لئے نہیں تھا بلکہ تم اس لئے محاذ جنگ میں اگلی صفوں میں گئے تھے تاکہ لوگ تمہاری تعریفیں کریں کہ کتنا دلیر شخص ہے۔ خطاب ہوگا اسے بھی منہ کے بل جہنم میں پھینکا جائے۔

پس اگر چاہتے ہو کہ خدا کے نزدیک تمہارا کوئی مقام ہو تو ہر کام میں خلوص نیت پیدا کریں، تاکہ تمہیں تمہارا اصل ٹھکانہ دیا جائے۔



چاپ دواں دھم

دل میں ایمان کو پروان چڑھانا

گناہ سے توبہ!

اگر ایمان قلبی پیدا کرنا چاہتے ہو تو تین چیزوں کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایمان قلبی کے لئے ایمان عقلی کی طرح دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ شرعی ظواہر کی پابندی کے بارے میں گفتگو کر چکا ہوں۔ تمام دوستوں اور عزیزوں سے گزارش کرتا ہوں کہ ظواہر شرع کی پابندی کریں۔ خاص کر گناہ سے اجتناب کرنے کو زیادہ اہمیت دیں۔ اپنی زندگی کو گناہوں سے محفوظ رکھیں۔ کیونکہ گناہ تمہاری زندگی کے ہر شعبے میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اولاد میں شقاوت پیدا کرتا ہے۔ گناہ اگرچہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، دنیا و آخرت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ لہذا گناہ سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اگر کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو فوراً توبہ کریں۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ”گناہ سے توبہ کے لئے دو رکعت نماز بجا لائیں۔“

چنانچہ امام صادق علیہ السلام نے غنا سننے والے ایک شخص کو حکم دیا تھا کہ جاؤ غسل کرو اور دو رکعت نماز بجالاؤ، اگر اس حالت میں مر جاؤ گے تو ہلاکت و بربادی تمہارے انتظار میں ہے۔ پس اگر غسل توبہ نہیں کر سکتے ہو تو کم از کم نماز توبہ بجالائیں۔ اگر نماز بھی نہ پڑھ سکیں تو فوراً توبہ کریں، کیونکہ گناہ جتنا بھی برا کیوں نہ ہو توبہ کرنے کی صورت میں خدا اسے معاف کر دیتا ہے۔ یہ سب سے پہلی چیز ہے جس سے ایمان کی جڑیں دل میں مضبوط ہوتی ہیں اور دل

میں ایمان عاطفی قلبی پیدا ہو جاتا ہے۔

مصیبت میں صبر

اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو ایمان قلبی سے مزین کریں تو اس کے لئے دوسری شرط مصائب و مشکلات میں صبر ہے۔ جس دنیا میں ہم زندگی گزار رہے ہیں یہ ایک سمندر ہے جس کے اندر مدوجزر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ انسان سمندر میں زندگی گزارے لیکن اس کی موجوں اور مدوجزر سے آگاہ نہ ہو۔

امام صادق علیہ السلام اپنے جد بزرگوار امیر المومنین علی علیہ السلام سے اور آپ نے رسول اللہ سے روایات نقل فرمائی ہیں:

الدُّنْيَا بَحْرٌ عَمِيقٌ قَدْ غَرِقَ فِيهَا خَلْقٌ كَثِيرٌ.

”دنیا ایک گہرا سمندر ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہیں۔“

دنیا ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ اس میں منہ زور موجیں اٹھتی ہیں۔ اس کے اندر مدوجزر ہے۔ انسان کو احتیاط سے کام لینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے آپ کو اس کی موجوں اور مدوجزر میں گم کر بیٹھے۔

انسان اس وقت بدبختی کا شکار ہوتا ہے جب اپنے آپ کو اس دریائے امواج میں گم کر بیٹھے۔ بعض اوقات تیراک لوگ بھی اس سمندر کی بے رحم لہروں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ یہ دنیا ایک سمندر ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان اس دنیا میں زندگی گزارے اور مشکلات و مصائب کا سامنا نہ ہو۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر مشکلات کا بہر حال سامنا کرنا پڑتا ہے۔

قرآن مجید ان بحرانوں اور مدوجزر کو امتحان سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآن نے امتحان اور آزمائش کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ہر انسان اس دنیا میں ضرورت آزمایا جاتا ہے، تاکہ

اسے اپنی حیثیت معلوم ہو سکے۔

لِيَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ.

(سورہ انفال، آیت: ۴۸)

”تا کہ طیب و نیک کو خبیث سے جدا کرے اور بعض خبیثوں کو دوسرے بعض خبیثوں سے ملا دے۔“

سورہ عنکبوت میں امتحان کے بارے میں یوں ارشاد قدرت ہے:

أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ.

(سورہ عنکبوت، آیت: ۲۱)

”کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ بے شک ہم نے ان سے پہلے والوں کا بھی امتحان لیا ہے اور اللہ تو بہر حال یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان میں کون سچے اور کون جھوٹے ہیں۔“

انسان یہ بالکل خیال نہ کرے کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اس کا امتحان ضرور لیا جائے گا، تا کہ پروردگار اسے بتا سکے کہ تم کس لئے اس دنیا میں آئے ہو۔ تا کہ خبیث کو طیب اور پاکیزہ لوگوں سے جدا کرے، جھوٹ اور سچ کے درمیان فرق ڈالے۔ یہ امتحان کی پہلی قسم ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔

امتحان کی دوسری قسم جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے اور یہی قسم ہماری گفتگو کا عنوان بھی ہے۔ زندگی میں مصائب و مشکلات مد و جزر اور بحران، خود سازی اور انسان سازی کا موجب ہیں۔ عموماً انسان نعمت کی بجائے مشکلات سے زیادہ سبق سیکھتا ہے، لہذا کہا جاتا ہے کہ نعمت خدا کی طرف سے لطف جلی اور بلا و مصیبت لطف خفی ہے۔ نعمت اور معیت دونوں

اچھی چیزیں ہیں، البتہ یہ اس کے لئے اچھی ہیں جو یہ جانتا ہو کہ نعمت الہی سے کس طرح استفادہ کرنا ہے اور مشکلات سے کس طرح خود سازی کرنی ہے۔ بلا و مصیبت بزرگوں کے نزدیک خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، لیکن وہ اسے لطف الخفیف کہتے ہیں۔ یعنی ایسا لطف جس کی طرف لوگ عام طور پر متوجہ نہیں ہوتے ہیں، بلکہ خواص کی توجہ کا مرکز ہے۔

الطاف خفیہ

اس مجلس میں موجود بزرگان مرحوم آقا جواد ملکی کو شاید جانتے ہوں گے، حقیقت بات تو یہ ہے کہ قمیوں کو خدا نے عظیم نعمتوں سے سرشار فرمایا ہے۔ مثلاً موس حوزہ علمیہ قم مرحوم آقا شیخ عبدالکریم حائری اور آقا مرزا جواد ملکی تبریزی جیسی عظیم شخصیات اسی سرزمین پر ہیں۔ مرزا آقا جواد تبریزی عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ اکثر لوگ ان کے درس اخلاق میں شریک ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے بڑے اچھے اچھے شاگرد تربیت کر کے معاشرے کو دیے ہیں۔ ان میں سے رہبر عظیم الشان انقلاب حضرت امام خمینیؑ بھی ان کے ایک شاگرد ہیں۔ آقا جواد ملکی مرحوم کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

ان کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر پچیس سال تھی۔ وہ عید غدیر کے روز پانی کے تالاب میں ڈوب کر دنیا سے چل بسا۔ اس وقت آپ درس میں مشغول تھے۔ آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جوان بیٹے کا جسد خاکی پانی کی سطح پر تیر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: میرے بیٹے کا جنازہ ایک طرف رکھ دیں اور لوگوں کی عید کو عزاء میں تبدیل نہ کریں۔ یہ فرمانے کے بعد بڑے آرام اور سکون سے مجلس میں بیٹھ گئے۔ علماء نے آپ سے پوچھا: آقا کیا بات ہے؟

انہوں نے فرمایا: خدا نے مجھے عیدی عطا فرمائی ہے لیکن یہ عورتیں سمجھتی نہیں ہیں؟
رہبر عظیم الشان انقلاب کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب انہیں ان کے فرزند آقا

مصطفیٰ کی ناگہانی موت کی اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔
مصطفیٰ کی اچانک موت خدا کے الطاف خفیہ میں سے ہے۔

لہذا بلا و مصیبت خدا کی طرف سے لطف خفی ہے جو نعمت سے بہتر ہے۔ وہ شخص جو خود سازی کرنا چاہتا ہے اور اپنے اندر ایمان قلبی کو مضبوط کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بلا و مشکل اکسیر ہے۔ قرآن فرما رہا ہے:

میں تمہارا ایمان لوں گا، لیکن اس کی نوعیت پہلے امتحان کی نسبت مختلف ہے۔ مثلاً: عام پتھر کی کوئی ارزش و قیمت نہیں ہوتی ہے لیکن اگر اس سے سونا حاصل کرنا چاہیں تو اسے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلے اسے بھٹی میں ڈال کر کئی ہزار حرارت دے کر لوہا، سلور اور کچھ دیگر چیزیں نکالتے ہیں۔ اس کے بعد سونا حاصل ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے ایک بھٹی کی مانند ہے۔ اس میں رہ کر خالص سونا بنتا ہے تاکہ يٰۤاَيُّهَا النَّفْسُ الْوُطْمٰنَةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ کا مصداق قرار پائے۔

پس اگر پوچھا جائے کہ موجودات کی خلقت کا ہدف کیا ہے؟
تو جواب دیں انسان ہدف خلقت ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ انسان کی تخلیق کا ہدف کیا ہے؟ جواب یہ ہونا چاہیے کہ ہدف خلقت انسان ”لقاء اللہ“ ہے۔ یعنی خدا کہتا ہے:
اے انسان! تجھے میں نے اپنے لئے خلق کیا ہے تاکہ تم

وَجُودَةٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاطِرَةٌ۔ (سورہ قیامت، آیت: ۷، ۸)

کا مصداق قرار پاؤ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں ہے کہ بعض لوگوں کے چہرے خوشی سے نورانی ہیں اور چشم دل سے جمال حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ روایات میں مذکور ہے کہ خدا جسے دوست رکھتا ہے اس پر بلائیں نازل فرماتا ہے: الْبَلَاءُ لِلْوَلَاءِ الْبَلَاءُ بِالْاَنْبِيَاءِ۔

قرآن میں ارشاد ہو رہا ہے:

وَلِنَبْلُوْنَا بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.

”اور یقیناً تمہیں تھوڑے خوف تھوڑی بھوک اور اموال، نفوس اور ثمرات کی کمی سے آزمائیں گے اور اے پیغمبر! ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دے، جو مصیبت پڑنے کے بعد یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں کہ ان کے لیے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔“

یہاں پر ہدایت سے مراد گم شدہ کو پیدا کرنا۔ خدا کی عنایت و شفقت کا خاص مورد میں واقع ہونا اور خدا کا دست شفقت انسان کے سر پر رکھنا ہے۔ ہماری بحث بھی اسی کے بارے میں ہے۔ یعنی دل میں ایمان پیدا کرنا اور دل پر خدا کا حکومت کرنا۔

خدا فرما رہا ہے: حتماً تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ امتحان کیسا ہوگا؟ یہ امتحان نامنی، جنگ، مال، جان، اولاد، کساد بازاری، قحط اور صبح سے شام تک کام کرنے کے بارے میں لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ امتحان انسان ساز ہوتا ہے۔ انسان دھوکہ، فراڈ اور چوری ڈاکے سے مال و دولت جمع کر سکتا ہے۔ سود کے ذریعے حرام پیسہ کما سکتا ہے لیکن اس راستے کا انتخاب نہیں کرتا ہے، بلکہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ لقمہ حلال بچوں کے منہ میں دے۔ مصائب و مشکلات میں صبر کا دامن نہیں چھوڑتا ہے۔ یہی چیزیں اس بات کا سبب بنتی ہیں کہ شجر ایمان دل میں پھلے پھولے اور ثمر آور ہو۔

صبر کی قسمیں:

روایات معصومین علیہم السلام میں صبر کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔

❖ مصیبت کے وقت صبر۔

❖ گناہ پر صبر۔

❖ عبادت میں صبر کرنا۔

عبادت میں صبر

عبادت میں صبر یہ ہے کہ تھکا ماندہ ہے، نماز کا اول وقت ہے، اٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ آدھی رات کے وقت نماز شب کے لئے بیدار ہوتا ہے۔ ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے یادِ خدا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ سخت گرمی کے موسم میں روزہ رکھتا ہے۔ پس عبادت، مصیبت اور مصیبت میں صبر کرنا انسان سازی کے بہترین عوامل ہیں۔ یہ سب ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان قلبی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ملا صدرا کی برہان صدیقین اور برہان نظم اگرچہ بہت مشکل ہیں لیکن وہ افراد جنہیں مہانی اچھی طرح یاد ہیں، ان کے لئے ان براہین کو سمجھنا اور یاد کرنا مشکل نہیں ہے۔

برہان نظم کی وضاحت کر چکا ہوں۔ اس پر کتاب بھی تحریر کی گئی ہے لیکن دل میں ایمان راسخ ہونے پر کوئی برہان و دلیل قائم کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اس قدر مشکل ہے کہ جس طرح زندہ شخص کی انگلی سے ناخن کھینچنا مشکل ہے۔ لیکن جس قدر اپنے نفس کو مہار کرنے کے لئے زیادہ محنت کرے گا اسی قدر اپنی شخصیت سازی کرے گا۔ جب انسان خدا کی خاطر گناہ کو ترک کرتا ہے تو خدا کے لئے مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اس وقت مصیبت بھی ٹل جاتی ہے اور شخصیت سازی بھی ہو جاتی ہے۔ اور اگر انسان دنیا میں آیا ہی اس لئے ہے کہ اپنی شخصیت کی اصلاح کرے اور اپنے آپ کو سنوارے۔

سورہ انسان کی دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ہو رہا ہے:

إِنَّ خَلْقَنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ.

”یقیناً ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ہے تاکہ اس کا امتحان لیں۔“

اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا.

”پس ہم نے اسے سمیع (سننے والا اور بصیر یعنی دیکھنے والا بنایا ہے۔“

سمیع و بصیر کے مراتب میں اس کا مرتبہ اول یہ ہے کہ شجر ایمان دل میں اگتا ہے۔ خدا کا نور دل کو روشن کرتا ہے۔ قرآن اسے شرح صدر و سعه صدر کے نام سے یاد کرتا ہے۔ انسان اگر مرحلہ وار اپنے آپ کو سنوارتا ہے یعنی اپنی تربیت کرتا ہے تو اس کے سمیع و بصیر ہونے میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس قدر ترقی کرتا ہے کہ بقول قرآن وہ فرشتے کو دیکھ سکتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَنْزِيلٌ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا

تُخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا. (سورہ فصلت: آیت: ۳)

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اسی پر جے رہے ان پر

ملائکہ یہ پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں کہ ڈرو نہیں اور رنجیدہ بھی نہ ہو۔“

یعنی وہ لوگ جو کہتے ہیں: کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اپنے اس قول پر ثابت قدم ہیں۔ یعنی اللہ ان کے دلوں پر حاکم ہے تو اس وقت ان پر ملائکہ نازل ہوں گے کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں اور ان کی گفتگو سنیں گے وہ ان سے کہیں گے اَلَّا تُخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا. ہرگز خوف نہ کھائیں بالکل نہ ڈریں، کیونکہ دنیاوی مشکلات میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ سَمِيعًا بَصِيرًا کے مدارج ہیں۔ اگر علم الیقین کی منزل پر ہو تو دل روشن ہو جاتا ہے، اور اگر عین الیقین کے درجہ پر فائز ہو تو خواب کی حالت میں ارتباط برقرار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ استاد بزرگوار آیۃ اللہ العظمیٰ آقا بروجردی اپنی مخصوص محافل میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے پاس صرف ایک حرف ہے جس کی طاقت سے ہم کئی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بہت سی باتیں ہمیں بتائی جاتی ہیں لیکن اب ان سب چیزوں سے محروم ہو گئے ہیں۔

علم اخلاق کے ایک استاد فرماتے ہیں: جب میں نجف میں تھا تو کوئی مجھے بیدار کرتا تھا۔ بعض اوقات کہتا: آقا اٹھیں، آقا اٹھیں لیکن جب بیدار ہوتا تو کوئی بھی نظر نہیں آتا تھا اور بعض دفعہ یہ کہا جاتا تھا کہ آقا شیخ اٹھیں اور بعض دفعہ یہ کہا جاتا تھا کہ آقا اٹھیں۔

وہ فرماتے ہیں: میں بہت پریشان تھا، کیوں کہ مختلف قسم کی آوازیں آتی ہیں؟ اس کے بعد کہتے ہیں: یہ ان کاموں کا اثر ہے جو دن میں، میں کیا کرتا تھا۔ اگر دن میں انسان بن کے رہتا اور اچھے اچھے کام کرتا تو عالم ملکوت میں آقا ہوتا اور اگر دن میں بے کار رہتا تو عالم ملکوت میں بھی میرے ساتھ ویسا حشر ہوتا۔ اگر انسان حق الیقین کی منزل پر فائز ہو جائے تو اس وقت فرشتوں کا دیدار ہوتا ہے۔ چشم بصیرت مل جاتی ہے۔ جنت و جہنم کو دیکھتا ہے۔ اہل جنت اور اہل نار کو دیکھتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ وہ اس قدر بالبصیرت ہو جاتا ہے کہ اگر حرام غذا کھائے تو گویا آگ کھا رہا ہے، اس کی باطنی صورت آنکھوں میں ہے۔

ایک بوڑھی عورت کا بیٹا گم ہو گیا۔ وہ ایک بزرگ کے پاس گئی۔ اس سے کہا: میں چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا مجھے تلاش کر کے دو۔ اس بزرگ نے کہا: میں کہاں سے تلاش کروں۔ اس بوڑھی عورت نے کہا: میرے بیٹے کو حاکم وقت نے قید کیا ہوا ہے۔ بالآخر اس نے اس بزرگ کو حاکم وقت کے پاس جانے کے لئے مجبور کیا۔ وہ حاکم وقت کے پاس جا کر کہتا ہے کہ اس بوڑھی کا بیٹا گم ہو گیا ہے اسے کہاں سے تلاش کروں؟

حاکم اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ اس بزرگ سے کہا کھانا کھا لو۔

اس نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا۔ اس نے اسے ڈرایا، خوفزدہ کرنے کی کوشش کی، اس نے غذا کا برتن انڈیل دیا اور حاکم کا ہاتھ پکڑا، اس قدر دبایا کہ اس کی انگلیوں سے خون بہنے لگا۔ اس کے بعد کہا: اے حاکم! تم لوگوں کا خون چوستے ہو، اب وہ تمہاری انگلیوں کے ناخنوں سے نکل رہا ہے۔ تو مجھے کیا چیز کھانے پر مجبور کر رہا ہے؟ گویا وہ بزرگ بستی اس غذا کی بالحسنی شکل و صورت کو دیکھ رہی تھی۔

پس جب خدا انسان کے دل پر حاکم ہو تو اس وقت وہ عالم ملکوت میں تصرف کر سکتا ہے۔
عَبْدِي أَطْعَمَنِي حَتَّى أَجْعَلَكَ مِثْلِي أَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ تَقُولُ كُنْ
فَيَكُونُ.

”اے میرے بندے میری اطاعت کرو تا کہ میں تمہیں اپنی طرح کا بنادوں۔
میں جب کہتا ہوں ہو جاؤ تو وہ کام ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر تو بھی کن یعنی ہو
جا کہے گا تو وہ کام ہو جائے گا۔“

پس ایسا کام کرو کہ تمہارے دل پر صرف خدا کی حکومت ہو۔ اگر انسان ایسا ہو جائے تو
جس طرح خدا چاہتا ہے وہ کام ہو جاتا ہے، اسی طرح اس کا بندہ بھی جو چاہے گا وہ ہو جائے
گا۔ پس یہ مصائب و آلام، عبادت، معصیت اور مشکلات میں صبر انسان کو کندھن بنا دیتا ہے۔
لہذا گزارش کرتا ہوں کہ ان مشکلات کے سامنے خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے سینہ سپر
ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص پچاس سال کا سفر چند لمحوں میں طے کر لے۔

پس جتنی بھی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، ان پر صبر کرنا چاہیے۔ یہ جنگ جو ہمارے اوپر
مسلط کی گئی ہے ہمارے لئے مصیبت عظمیٰ ہے۔ میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر تمام ایران کو
بمباری کر کے تباہ کر دیتے لیکن ہمارے خدا رسیدہ نو جوانوں کو شہید نہ کرتے تو ہم راضی
تھے۔ کیونکہ ان نو جوانوں کے چھن جانے سے مادی و معنوی اعتبار سے بھی بہت بڑا نقصان ہوا
ہے۔ ہمارا ایک ایک نو جوان پوری دنیا کے مقابلے میں قیمتی ہے۔ جو لوگ محاذ جنگ پر گئے
ہیں، وہ وہاں کے حالات کو اچھی طرح بیان کر سکتے ہیں کہ ہمارے نو جوان وہاں پر کن حالات
سے گزر رہے ہیں۔ ان نو جوان کے وصیت نامے بعض اوقات ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ بعض
دفعہ مجھے اپنے آپ پر افسوس ہوتا ہے کہ میں کیوں انہیں تبلیغ کرنے جاتا ہوں؟ جب کہ وہ
ہمیں تبلیغ کر رہے ہیں۔ ہم انہیں زبان سے تبلیغ کرتے ہیں وہ عملی تبلیغ کا نمونہ پیش کرتے
ہیں۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو ایثار و قربانی نہ ہوتی۔ یہ سب اسی جنگ کی دین ہے انسان اگر

امتحان میں کامیاب ہو جائے تو اس کی فقط آخرت ہی نہیں بلکہ دنیا بھی سنور جاتی ہے۔ کیونکہ خدا نے وعدہ کیا ہے آخرت کے ساتھ اسے دنیا بھی عطا کرے گا۔

نقل کرتے ہیں: مدینہ میں ایک انصاری عورت رہتی تھی، اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا جو قضائے الہی سے اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ جب اس کا شوہر گھر آیا تو یہ سوچ کر اس کی خدمت و خاطر میں مصروف ہو گئی کہ یہ تھکا ہوا ہے۔ اس کا دل نہ پریشان کیا جائے۔ اذان صبح کے وقت شوہر جب نماز کے لئے جانے لگا تو بیوی نے کہا: اگر کسی کی امانت آپ کے پاس ہو وہ آپ سے مانگے اور آپ اسے نہ لوٹائیں تو کیسا ہے؟

اس نے جواب دیا: یہ بہت برا ہے۔

بیوی نے کہا: جب ایسا ہے تو تمہارا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔ اب نماز کے لئے مسجد میں جائیں اور لوگوں کو اطلاع دیں۔ جب یہ شخص مسجد میں داخل ہوا تو گویا پیغمبر اسلام پہلے سے ہی اسے ملنے کے لئے تیار تھے (ظاہر اُیہ واقعہ ابوایوب انصاری کا ہے) اسے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا:

اے ابوایوب! گزشتہ شب آپ کو مبارک ہو۔ روایات میں آیا ہے کہ اسی رات کو خداوند عالم نے اس عورت کو ایک بیٹا عطا کیا جو امیر المومنین علی علیہ السلام کی حمایت میں لڑتے ہوئے جنگ صفین میں شہید ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مزید لکھتے ہیں: اس نوجوان نے ۲۳ سال نماز صبح اس وضو کے ساتھ بجالائی جو نماز مغربین کے لئے کیا کرتے تھے۔ یعنی رات کے اول وقت سے لے کر صبح تک خدا کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہتا تھا۔

حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بڑا عجیب و غریب واقعہ ہے۔ بقول استاد بزرگوار رہبر عظیم الشان انقلاب فرماتے ہیں: جن آیات کریمہ میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے ان میں عرفان اور فلسفہ کی دنیا پوشیدہ ہے۔

جبر و تفویض اور قضا و قدر جیسا مہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ انہی آیات میں بخوبی مل

گیا ہے۔ یعنی اگر تمام عرفاء و فلاسفہ مثل شیخ الرائیس، ملا صدرا، علامہ طباطبائی اور رہبر کبیر انقلاب حضرت امام خمینی مل کر مسئلہ قضا و قدر اور جبر و تفویض کو حل کرنا چاہیں تو تب بھی اس طرح سے حل نہیں کر سکتے جس طرح قرآن نے ان آیات میں حل کیا ہے۔

لکھتے ہیں: حضرت خضرؑ نے ایک بچے کو قتل کر دیا تو خدا نے اسے بعد میں ایک بیٹا عطا فرمایا: جس کی نسل سے دنیا میں ستر پیغمبر آئے۔ لہذا آپ تمام حضرات سے تقاضا کرتا ہوں کہ ان مشکلات، مصائب، حالات کے مد و جزر اور دنیا کی طوفانی لہروں سے استفادہ کریں اور اپنی شخصیت کو سنواریں۔ یہ بحث اگرچہ ناقص ہے البتہ اسی قدر ہی کافی ہے۔ امید کرتا ہوں کہ عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بنائیں گے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری

ایمان قلبی اور اخلاق انتفاعی

تیسری چیز جو ایمان قلبی کے لئے پہلی دونوں چیزوں سے مہم تر ہے، وہ تربیت، تہذیب نفس اور اخلاق ہے۔ تربیت کے دو معنی ذکر کرتے ہیں۔ اگر آپ کے ذہن میں ہو تو ہم نے پہلے انسانی غرائز کو مہار کرنے کے لئے آٹھ عوامل کا ذکر کیا تھا۔ ان میں ایک عامل تربیت تھا۔ وہ تربیت جس کے بارے میں اہل مغرب کی منفی رائے ہے۔ ان کہتے ہیں: اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ ادب سکھانے سے متعلق ہے، یعنی وہ کہتے ہیں: انسان مودب ہوتا ہے۔ اسے سنجیدہ بات کرنی چاہیے۔ اسی طرح کردار کے لحاظ سے بھی مودب ہوتا ہے اسے سنجیدہ کام کرنا چاہیے۔ گھر میں مودب رہنا چاہیے۔ لباس خوراک اور رہن سہن کے اعتبار سے بھی باادب ہونا ضروری ہے۔ یعنی اجتماعی ادب و اسلام کی رعایت کرنی چاہیے۔ اس کے بارے میں اگر گفتگو کریں تو کم از کم دس دن لگیں گے، تاکہ میں آپ کے سامنے مفصل طور پر اجتماعی ادب و

رسوم کے بارے میں اسلام کا نظریہ بیان کر سکوں۔

اسلام اجتماعی آداب و رسوم کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے مودب ہونا بہت ضروری ہے۔ حتیٰ کہ گھر میں کس طرح کا لباس پہننا چاہیے، اسلام نے اس بارے میں اپنی نظر بیان فرمائی ہے۔

قرآن شریف والدین کو تذکر دے رہا ہے کہ گھر میں اولاد کے سامنے ایسا لباس نہ پہنیں جس سے زانو نظر آئیں۔ ایسے لباس سے پرہیز کریں جو بدن نما ہو۔ شب خوابی کا لباس اپنے بیڈ روم کی حد تک رکھیں۔ اپنی اولاد کے سامنے ادب کو ملحوظ رکھیں۔ تمہاری اولاد کے اذہان ویڈیو کیمرے کی مانند ہیں۔ تمہارا کردار و گفتار حتیٰ آپ کی ہر چیز ان کے ذہن میں نقش ہوتی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص غیر انسانی حرکتیں کرتا ہے تو وہ اس کی اولاد پر ضرور اثر انداز ہوں گی۔ اسلام تو اس قدر انسان کو محتاط رہنے کے بارے میں کہتا ہے کہ اگر تمہارا چند دنوں کا بچہ گہوارے میں بیدار ہے تو اس کے پاس ہم بستری نہ کریں۔ اگر اس کے سامنے کرتے ہیں کل کو اگر یہ بچہ زنا کار ہوتا ہے تو اس وقت اپنے آپ کو ملامت کریں۔

اسلام نے ہر چیز کے موازن بیان فرمائے ہیں۔ نظافت کا حکم دیا ہے: **النَّظَافَةُ مِنَ الْإِيمَانِ** ”صفائی ایمان کا حصہ ہے۔“ گفتگو کرنے کا طریقہ، رہن سہن اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب اسلام نے بیان کئے ہیں۔ لہذا ہر مسلمان بچے، جوان اور بوڑھے کو ان مسائل سے آگاہ ہونا چاہیے۔ یہ تربیت جسے ہم اخلاق انتفاعی کہتے ہیں اہل مغرب اسے اخلاق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے مورد نظریہ چیز نہیں ہے۔ اگر آپ نے کتاب ”آئین دوست یابی“، ”تالیف دلیل کارنگی“ کا مطالعہ کیا ہو۔ انصاف یہ ایک بہت اچھی کتاب ہے۔ کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ مادی گر نظریہ کے حامی لوگ انتفاعی اخلاق کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس میں اول سے آخر تک یہی بیان کیا گیا ہے کہ دکاندار کو کس طرح گاہک کے ساتھ پیش آنا چاہیے تاکہ گاہک کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ گھر میں شوہر اپنی بیوی کو کس طرح راضی رکھ سکتا ہے۔ یا عورت کس

طرح سے مرد کو اپنا دیوانہ بنا سکتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے کہ معاشرے اور عوام کے دلوں پر کس طرح حکومت کی جاسکتی ہے۔ کس طرح سے انہیں اپنی ڈگڈگی پر نچایا جاسکتا ہے۔ اخلاق کی اس قسم کو اخلاق انتفاعی کہتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک اس کی بے حد ارزش و قیمت ہے لیکن یہ قسم ہماری بحث میں فائدہ مند نہیں۔

آج کی دنیا آپ کی نظروں میں ہے۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے؟ حیوانات کی حمایت میں قانون سازی کی جا رہی ہے۔ اپنی کتابوں اور اخباروں میں طرح طرح کے افسانے لکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ایک چڑیا کی کار کے ساتھ ٹکر لگ گئی جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ یہ شخص بہت ناراض ہوا۔ اپنا کام کاج چھوڑ کر اس چڑیا کو ہسپتال لے گیا وہاں لے جا کر اس کی مرہم پٹی کروائی۔ لیکن اس کے مقابلے میں دیکھیں غریب اور مظلوم لوگوں کا کیا حشر کیا جا رہا ہے۔ کونسا ظلم ہے جو ان پر نہیں کیا جا رہا ہے؟ کیوں ان کے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگین ہیں؟ کیونکہ عراق کو کیمیائی اسلحہ دیا جا رہا ہے؟ کیوں جاپان پر ایٹم بم گرا کر پچھتر ہزار لوگوں کی جانوں سے ہولی کھیلی گئی؟ روس کیوں افغانستان پر ظلم کر رہا ہے؟ مشرق و غرب کیوں لوگوں کا خون جو تک کی طرح چوس رہے ہیں؟ ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لئے ہے کہ انتفاعی اخلاق اگرچہ بہت اچھا ہے لیکن انسان ساز نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ جب غریزہ ریاست طلبی یا طغیانی صورت اختیار کر جاتا ہے تو اس وقت اپنے ہدف اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نہ کسی کی ناموس کا خیال کیا جاتا ہے نہ کسی کی جان کی پروا ہوتی ہے۔ مظلوموں پر میزائل برسائے جاتے ہیں۔ بمباری کر کے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔

قصہ بیان کرتے ہیں کہ وزیر اور بادشاہ کے درمیان اس بات پر اختلاف ہو گیا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ تربیت سے کسی کو انسان بنایا جاسکتا ہے لیکن وزیر کہتا ہے ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ کئی روز تک یہ بحث ان کے درمیان چلتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ کسی نہ کسی طرح اپنے

وزیر کو یہ بات سمجھانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ چند بلیوں کو تربیت دی جائے۔ انہوں نے ایسی تربیت دی کہ جب مہمانوں کے لئے دسترخوان بچھایا گیا تو چار بلیوں کے ہاتھوں چار شمعیں تھما کر انہیں دسترخوانوں کے چاروں کونوں پر کھڑا کر دیا گیا۔ وہ بڑے آرام سے شمعیں پکڑے کھڑیں رہیں اور مہمان کھانا کھاتے رہے۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو دعوت دی اور یہی کھیل اس کے سامنے کھیلا گیا وزیر دیکھتا ہے کہ دسترخواں پر شاہی کھانا پڑا ہوا ہے بلیاں بڑے آرام سے ہاتھوں میں شمعیں پکڑے دسترخوان کے چاروں کونوں پر کھڑیں ہیں۔ حتیٰ کھانے کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی ہیں۔ بادشاہ وزیر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا: دیکھو تربیت نے بلیوں کو کیا بنا دیا ہے اور تم کہتے ہو کہ تربیت سے کوئی انسان نہیں بن سکتا ہے۔

وزیر نے کوئی جواب نہ دیا: اس نے چار عدد چوہے پکڑ کر تھیلی میں بند کئے۔ اگلے دن دسترخوان پر آ بیٹھا، کھانا لایا گیا۔ بلیاں اسی طرح شمعیں ہاتھ میں لئے آ کر دسترخوان کے کونوں پر کھڑی ہو گئیں۔ وزیر نے دوران غذا آہستہ سے چوہوں کو چھوڑ دیا۔ بلیوں نے جونہی چوہوں کو دیکھا تو شمعیں پھینک کر چوہوں کے پیچھے دوڑ پڑیں۔ چوہے اور بلیاں بادشاہ کے گرد چکر کاٹنے لگ گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تربیت اگرچہ موثر عامل ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ تربیت بطور کلی انسان ساز ہے تو یہ درست نہیں ہے۔

صفاتِ رفیلہ سے دوری

کیا تربیت کسی کو انسان بنا سکتی ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ تربیت بنام اخلاق انتفاعی کا معنی یہ ہے کہ اسلام کو ایک طرف کر دیا جائے۔ لیکن اسلام تہذیبِ نفس کے نام سے تربیت کرتا ہے۔ قرآن کی تقریباً چار ہزار آیات تہذیبِ نفس کے بارے میں ہیں لہذا اگر قرآن کو تہذیبِ نفس اور انسان سازی کا کارخانہ کہا جائے تو یہ غلط نہیں ہوگا۔ استاد بزرگوار رہبر انقلاب عظیم الشان اس سے بڑھ کر فرماتے ہیں: قرآن میں کوئی بھی آیت کریمہ ایسی نہیں

ہے جو تہذیب نفس کے بارے میں نہ ہو۔ قرآن تہذیب نفس کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ سورہ الشمس میں گیارہ قسمیں کھانے کے بعد ارشاد قدرت ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ وَسَّاهَا. (سورہ الشمس، آیت: ۱۰، ۹)

بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کر دیا ہے۔“

یعنی کامیاب فقط وہی شخص ہوتا ہے جس نے تہذیب نفس کی ہو۔ صفات رذیلہ سے اپنے آپ کو پاکیزہ رکھا ہو۔ اور صفات حسنہ کو اپنی زینت بنایا ہو۔ کتنا بد بخت ہے وہ شخص جس پر اس کی صفات رذیلہ حاکم ہوں۔

سورہ یسین میں ارشاد قدرت ہے:

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا لَّا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ
وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ. (سورہ یسین، آیت: ۹۱۸)

”ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے جو ان کی ٹھڈیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور وہ سر اٹھائے ہوئے ہیں اور ہم نے ایک دیوار ان کے سامنے اور ایک دیوار ان کے پیچھے بنادی پھر انہیں عذاب سے ڈھانک دیا ہے کہ وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں رہ گئے۔“

یہ طوق جو ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اس کی وجہ سے وہ اپنا رخ ادھر ادھر نہیں پھیر سکیں گے۔ حسد ایک بہت بری صفت ہے۔ حاسد شخص اپنے بھائی کو بھی قتل کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ جیسے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ یا حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا آپ کو کنویں میں گرانا یہ سب خدا کی خاطر ہوا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کوئی شخص متکبر و خود خواہ نہ ہو جائے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے۔

لہذا آپ دوستوں سے گزارش کرتا ہوں کہ ضدی پن، خود سری اور خود خواہی سے بچیں۔ خود انحصاری، تفاخر اور تکبر کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ اگر ان اوصافِ رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی انسان کے اندر آ جائے تو اس کے بارے میں قرآن کہہ رہا ہے:

قُلْ كُلُّ يَعْمَلْ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ. (سورہ اسراء، آیت: ۸۴)

”ہر کوئی اپنی ذات اور طبیعت کی بنیاد پر کام انجام دے گا۔“

از کوزه همان برون تراور کہ در اوست

”کوزے سے وہی چیز باہر نکلتی ہے جو اس کے اندر ہو۔“

اگر کوئی شخص متکبر ہوگا تو اس کی رفتار، گفتار اور فکر بھی تکبر آمیز ہوگی۔ مثلاً اگر کس

کوزے میں شراب ہو تو اس سے شراب ہی ٹپکے گی۔ بس ایسا کام کرنا چاہیے جو دل کو خباثتوں سے صاف کرے۔ ارشادِ قدرت ہو رہا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ اتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ.

”جس دن مال اور اولاد کوئی کام نہ آئے گا مگر وہ جو قلبِ سلیم کے ساتھ اللہ کی

بارگاہ میں حاضر ہوا۔“ (سورہ شعراء، آیت: ۸۸، ۸۹)

روزِ قیامت پاک و صاف دل کے علاوہ کوئی چیز کام نہیں آئے گی۔ لہذا علماءِ اخلا

دل میں راسخ ہونے والے ایمان کے مقدمہ کو تخلیہ (یعنی رفع صفاتِ رذیلہ) کہتے ہیں۔ جس

تک صفاتِ رذیلہ سے دل پاک نہ ہو، اس وقت تک دل میں شجرِ ایمان کا پروان چڑھنا ممکن

نہیں ہے۔ جو تھوڑا بہت ایمان ہو گا وہ ایمان لسانی حرفی ہو گا یا عقلی۔ ایمان حرفی و زبانی بالکل

بے فائدہ ہے، جب کہ ایمان عقلی بھی مشکلات میں گرہ کشائی نہیں کر سکتا ہے۔ قرآنِ فر

ہے: جب تک تخلیہ یعنی صفاتِ رذیلہ کا بت نہ گرایا جائے اور صفاتِ حسنہ کو نہ اپنایا جائے ایما

کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ. (سورہ اعراف، آیت: ۵۸)

”اور پاکیزہ زمین کا سبزہ بھی اس کے پروردگار کے حکم سے خوب اگتا ہے۔“

وَالَّذِينَ خَبَتْ لَا يُخْرَجُ إِلَّا نَكْرًا.

”اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس کا سبزہ بھی خراب ہوتا ہے۔“

شور کلروالی زمین میں آپ جتنا بھی بیج ڈالیں گے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا لیکن اگر زمین اچھی اور آباد ہو تو اس میں بیج ڈالیں، اس کی آبیاری کریں، بے کار قسم کی جڑی بوٹیاں نکال دیں تو ایسی زمین ثمر آور ہوگی۔ یعنی جب دل پاک و صاف ہو جائے تو انسان اچھے کردار و اوصاف کا ملک بن جاتا ہے۔ لیکن اگر دل میں خباثت ہو اور صفات رذیلہ حاکم ہو جائیں تو انسان بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ حسد، غیبت اور کسی پر تہمت وغیرہ لگانا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ حاسد شخص اگر دیکھتا ہے ساتھ والے دکان دار کی آج سیل اچھی ہو گئی ہے وہ دن اس کے لئے مصیبت کا ہوتا ہے۔ پس دل پاک ہونا چاہیے ورنہ انسان کسی مقام پر نہیں پہنچ سکتا ہے۔ لہذا وہ تربیت جو دل میں ایمان راسخ ہونے کا مقدمہ ہے علماء اخلاق اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

مرحوم آقا سید علی شوشتری صاحب کرامت شخصیت تھے۔ مرحوم آخوند ہمدانی اور مرحوم قاضی ان کے شاگرد تھے۔ میرے استاد بزرگوار علامہ طباطبائی، مرحوم آقا قاضی کے شاگرد تھے۔ مرحوم آقا سید علی شوشتری، شوشتر شہر میں قضاوت کے منصب پر فائز تھے۔

ان کے سامنے ایک مقدمہ لایا گیا لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کو کس طرح حل کیا جائے۔ مسئلہ کچھ یوں تھا کہ وقف شدہ زمین تھی طرف مقابل نے اس زمین کی جعلی رجسٹری بنوائی اور قاضی کے سامنے پیش کر دی۔ آقا شوشتری اگلے دن یہ حکم کرنا چاہتے تھے کہ یہ زمین وقفی نہیں ہے، یہ فلاں صاحب کی ملکیت ہے۔ اسی رات آقا ملاقلی، آقا سید علی شوشتری کو خواب میں ملتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ جناب آپ کل جو فلاں زمین کے بارے میں فیصلہ دینا چاہتے ہیں وہ ناحق ہے، درست نہیں ہے۔ اس کے مدارک و کاغذات فلاں جگہ

پر پڑے ہوئے ہیں، جا کر انہیں دیکھیں۔ اس کے بعد فرمایا: تم یہاں رہنے کے لائق نہیں ہو لہذا نجف اشرف آ کر کچھ حاصل کریں۔ آقا شوشتری ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر نجف اشرف آ گئے اور تہذیب نفس کے مدارج طے کئے۔

مرحوم شیخ انصاریؒ، آقا سید علی شوشتری اور آقا آخوند ہمدانی کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ لہذا کل آقا سید علی شوشتری کے درس میں شامل ہوں گے تاکہ ہمارے دل صاف ہو جائیں۔ آقا شوشتری آقا آخوند ہمدانی اور آقا مرحوم قاضی کی طرح متقی و پرہیزگار تھے۔

تہذیب نفس

استاد بزرگوار علامہ طباطبائی فرماتے تھے: میں جب نجف اشرف پڑھنے گیا تو حیران و پریشان تھا کہ کیا کروں، کس کے درس میں بیٹھوں۔ انہی ایام میں آقا سید علی شوشتری میرے پاس آئے اور فرمایا: کوئی شخص اپنی آدھی عمر علم اخلاق کے استاد کو تلاش کرنے میں گزار دے تو اس نے کوئی نقصان نہیں کیا ہے۔ تہذیب نفس کے بغیر علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہذا اس کے لئے درس الاخلاق میں شریک ہوا کریں۔

مرحوم علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: میں اگلے روز ان کے درس اخلاق میں شریک ہوا۔ یہ فرماتے ہیں: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں نے مرحوم قاضی سے حاصل کیا ہے، گویا آقا شوشتری نے علامہ طباطبائی کو اپنے راستے پر چلا لیا۔ لہذا درس اخلاق کو اہمیت دیں۔ اس میں شریک ہو کر تہذیب نفس کے مدارج طے کریں۔ آئمہ معصومینؑ بھی اسے بہت اہمیت دیتے تھے۔

علی بن یقطین کا واقعہ آپ سب نے سنا ہوگا۔ انہوں نے علی بن ابراہیم جمال کے ساتھ تھوڑی سی گستاخی کی تو حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام نے اسے اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہ دی۔ وہ تین دن تک آتا رہا لیکن امام نے اسے اجازت نہ دی، اور

فرمایا: جب تک علی بن ابراہیم جمال تم سے راضی نہیں ہوگا تب تک میں بھی تم سے راضی نہ ہوں گا۔ اس نے کہا: میرے مولیٰ و آقا کیا کروں؟

آپ نے فرمایا: ایک اونٹ مہیا کرو، اس نے اونٹ مہیا کیا۔ مدینہ سے کوفہ آیا اور علی بن ابراہیم جمال کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب وہ باہر آیا تو اسے کہا: مجھے معاف کر دیں۔
علی بن ابراہیم نے کہا: میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔

ہارون کا وزیر علی بن یقطین مٹی پر بیٹھ گیا اور اپنا ایک رخسار خاک پر رکھا اور کہا: اپنا پاؤں میرے سر پر رکھو تا کہ مجھے یقین ہو جائے کہ تم مجھ سے راضی ہو گئے ہو۔ علی بن ابراہیم ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ علی بن یقطین نے کہا: اگر تم چاہتے ہو کہ مجھے قلبی سکون حاصل ہو تو پھر جیسے میں کہہ رہا ہوں ایسا ہی کرو۔ اس نے جب اپنا پاؤں علی بن یقطین کے سر پر رکھا تو کہتا ہے: اب میرا دل راضی ہے۔ اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اب میں بھی تم سے راضی ہوں۔

بزنطی کہتا ہے: میں ایک دن امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا، جب سارے لوگ چلے گئے تو امام نے فرمایا: اگر رکنا چاہتے ہو تو یہاں رک جاؤ۔ وہ کہتا: میں وہاں پر ٹھہر گیا اور دل میں بہت خوش ہوا، اور اپنے آپ پر فخر کرنے لگا کہ میں وہ شخص ہوں جسے امام علیہ السلام نے اپنا مہمان بنایا ہے۔

وہ کہتا ہے: میں سجدہ میں تھا کہ امام علیہ السلام آئے اور فرمایا: ایک دفعہ امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے صحافی صمصہ کے گھر تشریف لائے تو صمصہ فخر و غرور کرنے لگا۔
آپ نے فرمایا: اے صمصہ! کبھی ایسا نہ کرنا کہ لوگوں کو بتائے پھر کہ امیر المومنین میرے گھر میں تشریف لائے ہیں۔

پس تکبر و غرور اگرچہ ذرا برابر ہی کیوں نہ ہو شجر ایمان کی جڑیں اکھیڑ دیتا ہے۔ آپ تمام دوستوں کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ ہم سب لوگوں کو درس اخلاق کی ضرورت

ہے۔ کبھی بھی ایسا نہ کہنا کہ ہم سب مسائل سے آگاہ ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن مسعود سے کہتے ہیں کہ تم قرآن کی تلاوت کرو تاکہ میں سنوں۔ امیر المومنین علیہ السلام ابن مسعود سے کہتے ہیں: آپ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ وہ حیران و پریشان ہو کر کہتا ہے: یا علی! کیا میں آپ کو نصیحت کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

نصیحت کرنے میں ایسا اثر ہوتا ہے جو جاننے میں نہیں ہوتا ہے۔

پس اس طرح کی محافل و مجالس کا انعقاد ضرور کرنا چاہیے۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان قلبی کے علاوہ کوئی چیز بھی انسانی غرائز و تمایلات کو مہار نہیں کر سکتی ہے۔ ایمان قلبی تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے:

❖ شرعی احکام کو باقاعدگی سے بجالانا۔

❖ مصائب و مشکلات میں صبر کرنا۔

❖ صفات رذیلہ سے نجات حاصل کرنا۔ یہ اگرچہ بہت مشکل ہے لیکن ایک واجب

امر ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ترجمہ: تمام شد

بتاریخ 25 مارچ 2004

بمطابق 3 صفر المظفر 14 بروز جمعرات



آپ اللہ اعظمیٰ بن مظاہری مدظلہ العالی